تین ننّھے سراغ رساں اور
خوفناک بالشتیے
سلیم احمد صدّیقی

تین ننھے سُراغ رساں

اور

خوفناک بالشتیے

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴روپے

ٹیکم گڑھ کے ہیرے

”وہ رہا، باقر علی عجائب گھر!“ عاقِب نے پہاڑی کی چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔“نسیم نے کہا۔ ”آخر کار ہم پہنچ ہی گئے۔“

”اس میں آخر کار کی کیا بات ہے؟“ عنبر نے عجائب گھر کی عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہے کیوں نہیں۔“ نسیم بولا۔ ”ہم ایک گھنٹے سے پیدل جو چل رہے

تھے۔"

"تم تو بہت جلدی گھبرا جاتے ہو۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو ہمیں یہ چڑھائی چڑھنا ہے۔"

"چلو بھائی۔" نسیم نے اس انداز سے کہا کہ عاقِب اور عنبر کو ہنسی آ گئی۔

تین ننھے سُراغ رساں اس وقت ریاست ٹیکم گڑھ کے مشہور ہیروں کی نمائش دیکھنے باقر علی میوزیم آئے تھے۔ یہ عجائب گھر شاداب نگر سے کوئی چار ساڑھے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ مرحوم باقِر علی شاداب نگر کے بہت بڑے رئیس اور باذوق آدمی تھے۔ انہیں نادر تصویریں جمع کرنے کا جنون تھا۔ وہ جو کچھ بھی کماتے، تصویریں خریدنے پر خرچ کر دیتے۔ اس شوق کی خاطر انہوں نے شادی بھی نہیں کی۔ مرتے وقت انہوں نے اس چھوٹی سی پہاڑی پر بنا ہوا اپنا خوب صُورت مکان تصویروں سمیت حکومت کو دے دیا تھا اور حکومت نے اُن کا نام زندہ رکھنے کی خاطر اس عمارت میں باقر علی میوزیم کے نام سے ایک عجائب گھر قائم کر رہا تھا۔

آج کل باقر علی میوزیم میں ریاست ٹیکم گڑھ کے شاہی ہیرے جواہرات کی نمائش لگی ہوئی تھی۔

صبح جب نئے سُراغ رسانوں نے اخبار میں پڑھا کہ نمائش میں آج کا دن طالبِ علموں کے لیے مخصوص ہے تو تینوں دوست پیدل عجائب گھر کی طرف چل پڑے۔

عجائب گھر کی عمارت بہت خوب صورت تھی۔ اس میں دو بڑے بڑے ہال تھے جن کے اوپر گُنبد نُما چھت بنی ہوئی تھی۔ پہاڑی کے دامن سے عجائب گھر تک ایک پتلی سی پکّی سڑک بل کھاتی ہوئی جارہی تھی جس کے دونوں طرف اُونچے اُونچے درخت تھے۔

اسکولوں کے بہت سے بچّے عجائب گھر کی طرف جارہے تھے۔ ان میں سکاؤٹ بھی تھے اور گرل گائڈز بھی۔

نسیم، عنبر اور عاقِب پہاڑی پر چڑھ رہے تھے کہ نسیم نے عجائب گھر کے گُنبدوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ”عنبر! پرانے لوگ لوہے اور سیمنٹ

کے بغیر گُنبد کسی طرح بناتے تھے؟“

”دھم!“

یہ عنبر کا جواب نہیں تھا، بلکہ نسیم بے دھیانی میں ایک چھوٹے سے سکاؤٹ سے ٹکرا گیا تھا جو اپنے گروپ کے ساتھ تیز تیز قدم اُٹھاتا جا رہا تھا۔ نسیم کی ٹکّر سے وہ نیچے گِر پڑا۔ نسیم بھی لڑکھڑا گیا، مگر جلد ہی سنبھل گیا اور ننّھے سکاؤٹ کو اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ بڑی پھُرتی سے اُٹھا، مُسکرا کے نسیم کی طرف دیکھا اور پھر کپڑے جھاڑتا ہوا اپنے گروپ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

نسیم نے دیکھا کہ اُس کے ایک دانت پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ ایسا خول اُس نے پہلے بھی کئی آدمیوں کے دانتوں پر دیکھا تھا۔

”ایک بات تو بتاؤ عنبر۔“ نسیم نے کہا۔

”ابھی بتاتا ہوں کہ ہال کے اوپر گُنبد کس طرح۔۔۔“ عنبر نے کہنا شروع

کیا ہی تھا کہ نسیم نے عنبر کی بات کاٹ کر کہا۔ ”نہیں۔ یہ بات بعد میں سہی مجھے یہ بتاؤ کہ بعض لوگ اپنے دانت پر سونے کا خول کیوں چڑھوا لیتے ہیں؟“

”ویسے ہی، شوقیہ طور پر۔“ عنبر نے کہا اور پھر وہ اُسے گُنبدوں کے بارے میں بتانے لگا۔

عجائب گھر کے باہر ایک خوب صورت سالان تھا۔ عاقِب اور نسیم کو پتا ہی نہ چلا کہ وہ کب عجائب گھر میں داخل ہوئے کیونکہ عنبر کی زبان ایک لمحے کو بھی نہیں رُکی تھی۔ اُنہیں عجائب گھر میں داخل ہونے کا شاید ابھی کچھ دیر اور پتا نہ چلتا لیکن ایک آدمی نے عنبر کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ اُس نے سکاؤٹوں والی وردی پہنی ہوئی تھی۔ شاید وہ سکاؤٹوں کا کوئی گروپ لے کے آیا تھا۔

اس آدمی نے عنبر سے کہا۔ ”لگتا ہے، میں نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے؟“

"ارے ہاں، میں نے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ ایک بار ہمارے اسکول میں ورائٹی پروگرام میں شریک ہوئے تھے۔ آپ نام انور ہے نا؟"

"خوب پہچانا!" انور نے کہا۔ "اور تم اس ورائٹی پروگرام میں شہزادے کا کردار ادا کر رہے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"تم نے نمائش دیکھی؟"

"جی نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ابھی تو ہم آئے ہیں۔"

"تو نمائش دیکھ لو۔" انور نے کہا۔ "یہاں بہت سے ہیرے جواہرات ہیں مگر دو چیزیں سب سے زیادہ قابلِ دید ہیں۔"

"کون سی؟" نسیم نے پوچھا۔

"ایک تو دھنک کے رنگ کے ہیرے۔" انور نے کہنا شروع کیا۔ "اور

دوسری سونے کی پیٹی۔ آؤ، میں تمھیں دکھاؤں یہ دونوں چیزیں۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب اس کے ساتھ ہو لیے۔ بڑے ہال کے بیچوں بیچ شیشے کا ایک خوب صورت مگر مضبوط شوکیس تھا، جس کے اندر قوسِ قزح کے سات رنگوں کے سات ہیرے رکھے ہوئے تھے۔ اُن کے اُوپر، چھت میں، بڑے بڑے بلب لگے ہوئے تھے جن کی روشنی میں ہیرے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔

”اوہو!“ نسیم نے جوش سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”کتنے پیارے ہیرے ہیں! اور ان کے رنگوں کی ترتیب بالکل دھنک کے رنگوں کی ہے۔“

”وہاں، دیکھو۔ بنفشی، نیلا، آسمانی، سبز۔“ عنبر نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ عاقِب نے جلدی سے کہا۔ ”زرد، نارنجی، سُرخ۔“

”یہ اِس نمائش کے سب سے قیمتی ہیرے ہیں۔“ عنبر نے شوکیس پر لگی ہوئی تختی پڑھتے ہوئے کہا۔ ”اِنھیں ہیروں کی دھنک کہا جاتا ہے، اور ان کی قیمت کا اندازہ بیس لاکھ روپے لگایا گیا ہے۔ اُنھیں ریاست ٹیکم گڑھ کے

نواب رحمت اللہ خان نے دنیا کے کونے کونے سے خرید کر اپنے تاج میں لگایا تھا۔"

"آؤ، اب تمھیں اس نمائش کی دوسری اہم چیز دکھاؤں جسے سونے کی پیٹی کہا جاتا ہے۔" انور نے کہا۔

"چلیے۔" عنبر بولا اور تینوں دوست انور کے ساتھ دائیں جانب مُڑ گئے جہاں ایک خوب صورت شوکیس میں سونے کے بڑے بڑے چوکور ٹکڑوں سے بنی ہوئی ایک پیٹی رکھی ہوئی تھی۔ سونے کے ہر ٹکڑے پر پانچ پانچ ہیرے پھُول کی شکل میں لگائے گئے تھے۔ کوئی پھُول سبز ہیروں کا تھا، کوئی نارنجی رنگ کے ہیروں کا، اور کوئی نیلے رنگ کا۔

"یہ سونے کی پیٹی نواب شفقت اللہ نے اپنی تاج پوشی کے موقع پر بنوائی تھی۔ ہیروں سمیت اس کا وزن تین سیر یعنی پونے تین کلو گرام کے لگ بھگ ہے اور اس کی قیمت کا اندازہ دس اور بارہ لاکھ روپے درمیان لگایا گیا ہے۔" عنبر نے شوکیس پر لگی ہوئی تختی پڑھتے ہوئے کہا۔ "اب سوچنے

کی بات یہ ہے کہ یہ تین سیر وزنی پیٹی نواب صاحب کسی طرح باندھتے ہوں گے!"

اب انور اِن سے الگ ہو گیا تھا اور تینوں سُراغ رساں اطمینان سے نمائش کی باقی چیزیں دیکھ رہے تھے۔ ہیرے جواہرات کی یہ نمائش واقعی قابلِ دید تھی۔ بڑے بڑے شوکیسوں میں طرح طرح کے ہیرے رکھے ہوئے تھے۔ ایک بہت ہی خوب صورت کیس میں ایسے ہیرے تھے جنہیں تراش کر مختلف جانوروں اور پرندوں کی شکلیں بنائی گئی تھیں۔ مور، طوطا، کبوتر، گھوڑا، ہاتھی، بِلّی وغیرہ اِتنی صفائی سے تراشے گئے تھے کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا تھا۔

"مجھے تو ہیروں کے یہ جانور بہت خوب صورت لگ رہے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔

"بھئی سچ پوچھو تو میرا دل للچا رہا ہے!" نسیم نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔

"کاش ہم ان میں سے چند چیزیں خرید سکتے!" عاقِب نے بڑی حسرت سے

کہا۔

"اس کے بجائے تمھیں یوں کہنا چاہیے کہ کاش ہم نوّاب ہوتے!" عنبر نے عاقِب اور نسیم کو چھیڑا۔

"اونہوں۔" نسیم بولا۔ "نوّابی تو ہمیں بالکل پسند نہیں۔ اُن کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کوئی نوّاب ہماری طرح آزادی سے زندگی بسر کر سکتا۔۔۔۔۔" نسیم کا فقرہ ادھورا ہی رہ گیا، کیونکہ اسی وقت انور کی آواز آئی۔ وہ ماتھے پر ہاتھ رکھے زور زور کہہ رہا تھا۔ "پانی! پانی! میرا دل بیٹھا جا رہا ہے! پانی!"

آس پاس کھڑے کئی لوگ اس کی طرف لپکے۔ ایک سکاؤٹ تیز تیز قدم اُٹھاتا پانی لینے کے لیے باہر بھاگا۔

انور نے ماتھا پونچھنے کے لیے رومال نکالا تو اُس کی جیب میں سے سُرخ رنگ کا ایک ہیرا نکل کر فرش پر ِگر پڑا۔

”ارے ہیرا!“ کئی آدمی بے اختیار چلّا اُٹھے۔ نمائش کا انتظام کرنے والے لوگ آناً فاناً وہاں آ پہنچے اور اُن میں سے ایک نے انور کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

”مم۔۔۔ میں نے کیا کِیا ہے؟“ انور نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم نے ہیرا چُرایا ہے!“

”مم۔۔۔۔ میں نے؟“ انور نے کہا۔ ”یہ آپ کیا مذاق کر رہے ہیں؟“

”اس بات کا پتا تو تمھیں تھانے میں جا کے چلے گا۔“

ابھی انور اور اُس شخص میں تکرار ہو رہی تھی کہ اچانک بجلی بند ہو گئی۔ ہال ایئر کنڈیشنر تھا اس لیے اس میں کھڑکیاں اور روشن دان نہیں تھے۔ چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا گیا اور اس گھُپ اندھیرے میں ایک زور

دار چھنّا کے کی آواز آئی، جیسے کسی نے شیشے کے شوکیس کو توڑا ہو۔ پھر فوراً خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

اُسی لمحے ایک بھاری بھر کم آواز ہال میں گونجی۔ ”تمام گارڈ ہال کے دروازے پر پہنچ جائیں اور کسی کو باہر نہ جانے دیں۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ اُنہوں نے اب تک سُراغ رسانی کے کئی کارنامے انجام دیے تھے لیکن ڈاکہ پڑتے آج تک نہ دیکھا تھا۔

ناکامی

"آؤ، ہال کے صدر دروازے کی طرف جانے کی کوشش کریں۔" عنبر نے آہستہ سے کہا۔ اندھیرا ہوتے ہی اس نے عاقِب اور نسیم کے ہاتھ پکڑ لیے تھے کہ کہیں وہ بچھڑ نہ جائیں۔

"چلو!" نسیم نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مگر کیا فائدہ؟"

"فائدہ؟" عنبر نے کہا۔ "فائدہ یہ ہو گا کہ جب بجلی آئے گی تو ہم دروازے کے نزدیک ہوں گے اور منتظمین لوگوں کو باہر نکالیں گے تو ہم اُن کا جائزہ

لے سکیں گے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ ہم یہاں سُراغ رسانی کرنے کے لیے آئے ہیں؟"
نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھو نسیم؟" عنبر نے کہا۔ "سُراغ رساں سُراغ رساں ہی ہوتا ہے۔
میرا مطلب ہے کہ وہ ہر وقت، ہر جگہ سُراغ رسانی کر سکتا ہے اور اس کو
کرنی چاہیے۔ تبھی جا کے وہ۔۔۔"

"اچھّا بھئی، اچھّا۔" عاقِب بولا۔ "اب تم اسی بات لیکچر دینے لگنا۔"

"اسی لمحے ہال کے اندر گیس لیمپوں کی روشنی پھیل گئی۔ یہ گیس لیمپ
ایک لمبا تڑنگا شخص جو خوب صُورت سی وردی پہنے ہوئے تھا لایا تھا۔ وہ
بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہال کے وسط میں پہنچا۔ اس کے ساتھ نمائش کے
کئی محافظ بھی تھے۔ وردی شخص نے سب سے پہلے ہیروں کی دھنک کے
شو کیس کو غور سے دیکھا اور پھر زور سے بولا۔ "حیرت ہے! یہ ہیرے تو
موجود ہیں؟"

”سر !اِدھر آیئے۔“ ایک محافظ چلّایا۔ ”سونے کی پیٹی غائب ہے۔“

”ہُوں!“ اس شخص نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تو ڈاکوؤں نے سونے کی پیٹی اُڑالی ہے۔“ اس نے شوکیس کے آس پاس بکھرے ہوئے شیشوں کو دیکھا اور پھر دروازے کے پاس جاکر زور سے بولا:

”آپ لوگ تلاشی دے کر باہر جا سکتے ہیں۔ مہربانی کر کے قطار میں کھڑے ہو جائیں۔“

کمرے میں موجود لڑکے اور لڑکیاں اپنے اپنے اُستادوں اور اُستانیوں کے ساتھ قطار میں کھڑے ہونے لگے۔ چونکہ کمرے میں زیادہ تر سکاؤٹ اور گرل گائیڈ تھیں اس لیے نظم و ضبط میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ سب لوگ اطمینان سے ایک لمبی سی قطار میں دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ عنبر نسیم اور عاقِب بھی قطار میں لگے ہوئے تھے۔

مُحافظوں نے تلاشی لینا شروع کر دی اور ایک ایک کر کے لوگ باہر جانے لگے۔

”وہ دیکھو! وہ دو لمبے تڑنگے سکاؤٹ۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ان کے پاس چھوٹی چھوٹی کلہاڑیاں ہیں۔ میرا تو خیال ہے اِنھوں نے اپنی کلہاڑیوں سے شو کیس توڑا ہو گا اور سونے کی پیٹی اپنے تھیلے میں ڈال لی ہو گی۔“

”تمھاری بات میں خاصا وزن ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”ان میں سے ایک کا تھیلا کچھ زیادہ ہی پھولا ہوا نظر آ رہا ہے۔ میں کہتا ہوں، سونے کی پیٹی اِسی نے چُرائی ہے۔“

”ابھی پتا چل جائے گا۔“ عنبر بولا۔ ”ویسے میرا خیال ہے سکاؤٹ چوری نہیں کر سکتے۔“

عنبر کا خیال درست نکلا۔ یہ دونوں سکاؤٹ پہاڑی پر پکنک کے لیے آئے تھے اور اِسی لیے ان کے پاس کُلہاڑیاں تھیں۔ اُن کے پھولے ہوئے تھیلوں میں خوراک اور کپڑے وغیرہ تھے۔ محافظوں نے انھیں جانے دیا۔ اُن کے بعد اور لوگ بھی تلاشی دے دے کر نکلتے رہے، لیکن سونے کی پیٹی کسی کے پاس سے نہ نکلی! عنبر، نسیم اور عاقِب بھی اپنی باری پر باہر نکل

آئے۔

”آؤ، اب اپنے ہیڈ کوارٹر چلیں۔“ نسیم نے کہا۔

ننّھے سُراغ رسانوں نے عنبر کے خالُو کریم کے گھر میں ایک خفیہ ہیڈ کوارٹر بنایا رکھا تھا۔

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم ابھی یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

”کیوں؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”میں اُس وردی والے شخص سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شاید یہاں کا انچارج ہے۔“

”کیوں؟“

”میں اسے مدد کی پیش کش کرنا چاہتا ہوں۔“ عنبر نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

جب سارے لوگ باہر نکل آئے اور محافظ دروازہ بند کرنے لگے تو عنبر

آگے بڑھا اور ایک محافظ سے کہنے لگا۔ ”جناب، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں ان صاحب سے ملنا چاہتا ہوں، جو یہاں کے انچارج ہیں۔“

مُحافظ نے عنبر پر سر سے پاؤں تک ایک گہری نظر ڈالی اور پھر اسے ہاتھ کے اشارے سے اندر آنے کو کہا۔

وردی والا شخص اب اس ٹوٹے ہوئے شوکیس کی طرف جا رہا تھا جس میں سے سونے کی پیٹی نکالی گئی تھی۔

عنبر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”سر، میں ایک منٹ کے لیے آپ کی توجّہ چاہتا ہوں۔“ اس شخص نے پیچھے مُڑ کر عنبر کو غور سے دیکھا اور بولا۔ ”میرے پاس کسی اور طرف توجّہ دینے کے لیے ایک سیکنڈ بھی نہیں۔ سمجھے؟ اور تم اندر کیسے آ گئے؟“

”سر، میں محافظ سے اجازت لے کے آیا ہوں۔ میں اِس ڈاکے کے سلسلے میں۔۔۔۔“

”بولو!“ اس نے کہا۔ ”اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو کہو۔ میں ضرور سنوں گا۔ کیا تمہیں کسی پر شک ہے؟“

”نہیں سر، شک تو کسی پر نہیں۔“

”تم نے کچھ دیکھا ہے؟“

”نہیں سر، وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ دراصل ہم سُراغ رساں ہیں اور یہ ہمارا کارڈ ہے۔“ اس نے جیب سے اپنا تعارفی کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ اُس شخص نے کارڈ ہاتھ میں لیا اور ایک نظر اس پر ڈالی۔ لکھا تھا:

تین ننھے سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟ ؟ ؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: نسیم

سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

اس نے کارڈ پڑھ کر زمین پر پھینک دیا اور تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولا۔

"ماسٹر عنبر، نسیم یا عاقِب ! تم جو کوئی بھی ہو، میرے پاس حماقتوں کی آزمائش کے لیے وقت نہیں۔ اگر میں ریاست ٹیکم گڑھ کا پولیس کمشنر، جوّاد علی، اس ڈاکے کے بارے میں کچھ نہیں کر سکا تو تم کیا کر سکتے ہو۔ جاؤ، بھاگ جاؤ اور مجھے کام کرنے دو۔ نہ جانے آج کل کے بچّوں کو کیا ہو گیا ہے۔ دو چار سُراغ رسانی کی کتابیں کیا پڑھ لیتے ہیں کہ خود کو سچ مُچ کا سُراغ رساں سمجھنے لگتے ہیں۔"

چند لمحوں بعد عنبر ہال سے باہر آیا تو عاقِب اور نسیم اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"تمہارا مُنہ کیوں لٹکا ہوا ہے ؟ خیریت تو ہے ؟" نسیم نے کہا۔

"وہاں، خیریت ہے۔" عنبر نے زخمی شیر کی طرح بپھرتے ہوئے کہا۔ "بس ہمیں سونے کی پیٹی کا کیس نہیں مِلا۔"

نسیم مُنہ چھُپا کے مُسکرانے لگا اور پھر بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ نہیں ملا تو نہ

سہی۔ اللہ میاں اس سے کوئی اچھا کیس ہمیں دے دیں گے۔"

نسیم نے اس انداز سے یہ بات کہی کہ عنبر اور عاقِب دونوں کو ہنسی آ گئی۔

نیا کیس

دوسرے دن صُبح کو تینوں سُراغ رساں خفیہ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے اخبار میں کل کے ڈاکے کی خبر پڑھ رہے۔

"اخبار میں تو کوئی بھی نئی بات نہیں۔ ساری وہی باتیں ہیں۔" نسیم نے کہا۔
"پولیس نے بھی ابھی تک تفتیش میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔"

"دو باتیں نئی ہیں۔" عنبر نے کہا۔

"کون سی باتیں؟" نسیم نے پوچھا۔

”ایک تو یہ کہ مستریوں کی وردی والے ایک شخص کو باقر علی میوزیم کی پچھلی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ خیال ہے کہ اسی شخص نے بجلی کا تار کاٹا ہو گا کیونکہ اس کے جانے کے چند لمحوں بعد ہی اندر خطرے کا الارم بجنے لگا تھا۔“

”اور دوسری کیا بات ہے؟“ عاقِب نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ ”پولیس نے انور صاحب کو پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا۔“

”ہائیں!“ نسیم نے حیرت سے کہا۔ ”اور وہ جو اُن کی جیب سے سُرخ رنگ کا ایک ہیرا نکلا تھا؟“

”وہ نقلی تھا۔“ عاقِب نے بتایا۔

”اخبار میں یہی لکھا ہے۔“ عنبر بولا۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ انور صاحب کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوں گے۔“

”اگر وہ کچھ نہ کچھ جانتے ہوتے تو پولیس انہیں کیسے جانے دیتی ہے؟“

عاقِب نے پوچھا۔

”پولیس کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہ تھا کہ وہ انہیں پکڑ سکتی۔“ عنبر نے کہا۔
”ان کی جیب میں نقلی ہیرا تھا، اس لیے پولیس نے اُنہیں چھوڑ دیا۔ لیکن میں کہتا ہوں، انہوں نے یہ نقلی ہیرا جان بوجھ کے فرش پر گرایا تھا اور جُوں ہی نمائش کے محافظوں کا دھیان اُن کی طرف گیا، بجلی چلی گئی اور پھر۔۔۔۔۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ انور صاحب ڈاکوؤں سے ملے ہوئے ہیں۔“ نسیم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”نہیں، یہ سب کچھ اتّفاق بھی ہو سکتا ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں یہ خیال میرے ذہن میں آ رہا ہے کہ انور صاحب نے ساری باتیں پولیس کو نہیں بتائیں۔“ عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔

”میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں اس سارے قصّے کو بھول جانا چاہیے۔“ نسیم بولا۔
”آخر ہمیں اس کی تفتیش تو کرنی نہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن میں اپنا خیال ظاہر کر رہا ہوں۔ عاقِب، تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟“

”میرا خیال تو یہ ہے کہ ڈاکو محافظ کے روپ میں وہاں ملازم ہوا ہو گا تا کہ اپنے مقصد میں آسانی سے کام یابی حاصل کر سکے۔“ عاقِب نے کہا۔

”تمہارا خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن ایک بات طے ہے۔“

”کیا؟“

”سونے کی پیٹی باقر علی میوزیم سے باہر نہیں گئی۔ اگر کسی شخص کے پاس یہ پیٹی ہوتی تو پولیس تلاشی کے دوران اسے بر آمد کر لیتی۔“ عنبر نے کہا۔

”لیکن ڈاکو نے سونے کی پیٹی باہر نہیں پُہنچائی تو پھر ڈاکے سے کیا فائدہ؟“ نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

”ٹرن ٹرن۔۔۔ ٹرن ٹرن۔“ ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ عنبر نے ہاتھ بڑھا کے

ریسیور اُٹھایا اور بولا۔ ”ہیلو!“

”ہیلو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”مجھے عنبر سے بات کرنی ہے۔“

”چچا مسرُور! آپ؟ السّلام علیکم چچا جان!“ عنبر نے خوش ہو کر کہا۔ ”میں عنبر ہی بول رہا ہوں۔“

”وعلیکم السّلام، بیٹے۔“ چچا مسرُور کی آواز آئی۔

”آپ نے گھر کے بجائے ہمارے ہیڈ کوارٹر کے نمبر پر کیوں فون کیا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”مجھے تُم سے بطور سُراغ رساں بات کرنا تھی۔“

”اوہ!“ عنبر نے کہا۔ ”فرمایئے؟ کیا کوئی کیس ہے؟ دراصل کل ہمیں ایک کیس ملتے ملتے رہ گیا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ چچا مسرُور نے کہا۔ ”میرے پاس تمہارے لیے ایک عجیب و غریب کیس ہے۔“

”فرمائیے۔“عنبر نے کہا۔”میں سُن رہا ہوں۔“

چچا مسرُور نے کہا۔”تم نے بچّوں کی مشہور ادیبہ نُصرت صدّیِقی کا نام سُنا ہو گا۔“

”سُنا ہو گا؟ ارے چچا جان، ہم نے تو اُن کی ساری کتابیں پڑھی ہیں۔“

”بس تو تمھیں اُن سے ملنا ہے۔“

”یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔“عنبر چہکا۔”کیا اس کیس کا تعلّق انہی سے ہے؟“

”ہاں، اُنہی سے ہے۔“ چچا مسرُور نے کہا۔”دراصل انہیں پچھلے کئی دنوں سے چند بالشتیے تنگ کر رہے ہیں۔“

”آپ نے بالشتیے کہا ہے نا؟“عنبر نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں، بیٹے۔“ چچا مسرُور بولے۔”یہی لفظ میں نے استعمال کیا ہے۔ نُصرت صدّیِقی صاحبہ نے مجھے یہی بتایا تھا۔ اگر تُم اس سِلسلے میں دِل چسپی لو تو میں

تمھیں اُن کا پتا بتائے دیتا ہوں۔ اُن سے مِل لو۔"

چچا نے فون پر پتا بتا کے فون بند کر دیا۔ نسیم کی حالت اُس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ "لو! چوروں سے جان بچی تو بالشتیوں میں پھنس گئے۔" اُس نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔

"بھئی واہ! تُم ہی نے تو کل دُعا مانگی تھی کہ اللہ میاں اِس سے کوئی اچھّا کیس ہمیں دے دیں۔" عاقِب بولا۔

عنبر نے کہا۔ "آج تک کسی سُراغ رساں کو اِس قسم کا کیس نہیں ملا ہو گا۔ بڑا مزہ آئے گا؟"

کھڑکی میں کون؟

"میں کنگ موٹر کمپنی کو فون کرتا ہوں کہ وہ اللہ داد کو یہاں بھیج دیں۔" عنبر نے کہا۔

اللہ داد مرسیڈیز کار کا ڈرائیور تھا اور عنبر نے کار ایک ماہ کے لیے ذہانت کے ایک انعامی مقابلے میں حاصل کی تھی۔ بعد میں ایک امیر لڑکے گُل افروز نے اِس کار کا بہت سا پیشگی کرایہ جمع کرادیا تھا تاکہ ننّھے سُراغ رساں جب چاہیں اس کو استعمال کرسکیں۔ ننّھے سُراغ رسانوں نے افروز کو اس کا

ایک خاندانی ہیرا تلاش کر کے دیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں اللہ داد مرسیڈیز لے کر آ گیا۔ ننّھے سُراغ رساں اسے کریم انٹر پرائز کے باہر کھڑے مل گئے، جو عنبر کے خالُو کریم کی دُکان تھی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بالشتیوں کا وجود تو بالکل فرضی ہے۔ وہ محترمہ نُصرت صدّیقی کو کس طرح پریشان کر سکتے ہیں؟" نسیم نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہی تو ہم معلوم کرنے جا رہے ہیں۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "بالشتیے یعنی بالشت برابر آدمی اب صرف کہانیوں میں ملتے ہیں۔"

"ہاں!" عاقِب نے کہا۔ "اور دل چسپ بات یہ ہے کہ نُصرت صدّیقی نے خود بھی تو اپنی کئی کتابوں میں بالشتیوں کا ذکر کیا ہے۔"

"چند سال پہلے میں نے اُن کی کئی کتابیں پڑھی تھیں، جن میں چُڑیلوں،

پریوں، بونوں اور بالشتیوں کا ذکر تھا، اور اس وقت میں سمجھا تھا کہ یہ ساری باتیں سچ ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ایک کتاب میں لکھا تھا کہ بالشتیے زمیں کے نیچے رہتے ہیں اور چاند کی چودھویں تاریخ کو اوپر آتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک خاص پھول کی پتّی اپنی آنکھوں سے لگا لے تو وہ ان کی دُنیا کو دیکھ سکتا ہے۔"

"آپ کا بتایا ہوا پتا یہی تھا نا؟" اللہ داد نے ایک جگہ کار روکتے ہوئے پوچھا۔

عنبر نے سڑک کے دونوں طرف دیکھا۔ یہ ایک تجارتی علاقہ تھا۔ یہاں دُکانیں تھیں، دفاتر تھے، ہوٹل تھے، لیکن مکان کوئی نہ تھا۔

"میرا خیال ہے، ذرا آگے چلیں۔" عنبر نے کہا۔ "یہاں تو مکان نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے یہ علاقہ ختم ہونے کے بعد مکانات شُروع ہوں۔"

لیکن کچھ دُور جا کے بھی رہائشی علاقہ شروع نہ ہوا۔ عنبر نے اللہ داد سے کہا۔ "کار ایک طرف پارک کر دو۔ میرا خیال ہے، مکان یہیں کہیں ہے۔

ہمیں ڈھونڈنا پڑے گا۔"

"تماشا گھر۔" نسیم نے سڑک کے بائیں کنارے پر بنے ہوئے ایک پرانے طرز کے سینما گھر کے اُوپر لگا ہوا بورڈ پڑھا۔ یہ اس سینما کا نام تھا۔ سینما کے باہر ایک اور بورڈ لگا ہوا تھا جس پر موٹے موٹے حروف میں تحریر تھا:

جگہ برائے

تاج شاپنگ پلازا

"آج کل سینماؤں کے مالکان سینما بند کر کے مارکیٹیں بنا رہے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔ "اور اس تماشا گھر کا مالک بھی شاید یہی کچھ کر رہا ہے۔"

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "مگر یہ وقت اس مسئلے پر غور کرنے کا نہیں ہے۔ اس وقت تو ہم نُصرت صدّیقی کا مکان ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"لو بھئی، یہ رہا اُن کا مکان۔" نسیم نے چہک کر کہا۔ اُس کی نظریں تماشا گھر کے دائیں طرف لگی ہوئی تھیں اور اِدھر سڑک سے ذرا فاصلے پر ایک باڑ

تھی۔ باڑ کے دوسرے سِرے پر بینک کی عمارت تھی اور باڑ کے عین پیچھے، ایک بڑے لان کے بعد ایک پرانی تین منزلہ عمارت تھی۔ باڑ کے ایک سِرے پر زرد رنگ کا ایک چھوٹا سا گیٹ تھا جس پر اُڑی ہوئی رنگت کا ایک بورڈ لٹک رہا تھا۔ اس بورڈ پر لکھا تھا "نُصرت منزل۔"

"آخر منزل مل گئی۔" عنبر نے کہا اور بورڈ کے پاس لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند لمحوں بعد ایک اُدھیڑ عُمر کی عورت نے دروازے میں سے جھانکا اور کہا۔ "آؤ، اندر آجاؤ۔"

تینوں سُراغ رساں دروازے کے اندر داخل ہو گئے اور پھر چھوٹے سے لان کو پار کر کے ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ یہ ایک تین منزلہ عمارت تھی جس کے ایک طرف تماشا گاہ، یعنی سینما تھا اور دوسری طرف قومی بینک لمیٹڈ کی شان دار عمارت تھی۔ ان دونوں عمارتوں کے درمیان نُصرت منزل بھنچی ہوئی تھی اور اِن بُلند عمارتوں کے درمیان کچھ زیادہ ہی پرانی لگ رہی تھی۔

”اوپر آجاؤ۔“ خاتون نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

”ہمیں محترمہ نُصرت صدّیقی سے ملنا ہے۔“عنبر بولا۔

”میں ہی نُصرت ہوں۔ تمہیں مسرُور نے بھیجا ہے؟“

”جی ہاں، ہم سُراغ رساں ہیں۔“عنبر نے اپنا تعارفی کارڈ نُصرت صدّیقی کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں چچا مسرُور نے بتایا ہے کہ آپ کو چند۔۔۔۔“

”ہاں۔ آؤ، کمرے میں بیٹھ کے باتیں کرتے ہیں۔“

اب وہ دوسری منزل پر پہنچ چکے تھے۔ زینے کے بعد ایک راہ داری تھی جس کے شروع ہی میں ایک خاصا بڑا کمرا تھا۔ جوں ہی یہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے، نسیم چلّایا۔ ”بالشتیا! وہ دیکھو! بالشتیا!“ وہ بائیں طرف کھُلی ہوئی کھڑکی کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

بالشتیے کی تلاش

"کِدھر؟ کہاں؟" عنبر نے جلدی سے پُوچھا۔

"اِس کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا۔" نسیم بڑے جوش سے چلّایا۔ پھر وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف دوڑا اور نیچے جھانکنے لگا۔

عنبر اور عاقِب بھی کھڑکی کے پاس آ گئے اور نیچے دیکھنے لگے، مگر وہاں کسی بالشتیے کا نام نشان تک نہ تھا۔

"صحن تو بالکل خالی ہے۔" عنبر نے کہا۔ "نسیم! کیا واقعی تمھیں کوئی بالشتیا

نظر آیا تھا؟"

"ہو سکتا ہے وہ لان میں جا چھپا ہو!" نسیم نے کہا۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے اُسے دیکھا ہے۔ کیوں نہ ہم نیچے جا کے دیکھیں؟"

"چلو!" عنبر نے کہا اور تینوں دوست نُصرت صدّیقی کو وہیں بیٹھا چھوڑ کے تیزی نیچے چلے گئے۔

وہ مکان کے چاروں طرف گھومے پِھرے، ہر پودے اور جھاڑی کو غور سے دیکھا، دروازے کو بھی دیکھا، لیکن وہ اسی طرح بند تھا جس طرح وہ اسے بند کر کے گئے تھے۔ کہیں بھی کوئی بالشتیا نہ تھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں دھوکا ہوا ہے۔" سُراغ رساں نمبر ایک نے کہا۔

"نہیں!" نسیم بولا "اب میں اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ مجھے بالشتیے نظر آنے لگیں۔"

"آئیڈیا!" عاقِب بولا۔ "اگر نسیم نے دوسری منزل کی کھڑکی میں واقعی

بالشتیا دیکھا تھا تو کھڑکی کے نیچے زمین پر اُس کے قدموں کے نشانات ہوں گے۔"

"بہت خوب!" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال درست ہے۔"

عاقِب کو اچھّا خیال سوجھا تھا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کھڑکی کے نیچے پکّی اینٹوں کا فرش تھا اور ان پر کسی قسم کا کوئی نشان نہ تھا۔

"اب ہمیں اوپر چلنا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ "نُصرت صاحبہ سے بالشتیوں کے معاملے میں اُن کی رائے تو معلوم کر لیں۔"

"بالشتیا مِلا؟" نُصرت نے اُنہیں دیکھتے ہی سوال کیا۔

"نہیں۔ بھاگ گیا۔" نسیم نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہی ڈر تھا۔" نُصرت نے کہا۔ "بالشتیے ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔ آسانی سے ہاتھ نہیں آتے۔ البتّہ بالشتیے کا دِن میں نظر آنا عجیب بات ہے۔ وہ تو رات ہی کو زمین میں سے نکلتے ہیں۔"

”کیا آپ ہمیں یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کو بالشتیوں سے کیا شکایت ہے؟“عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔

”ابھی بتاتی ہوں۔“نُصرت بولی۔ ”مسرور کہہ رہے تھے کہ تم لوگوں نے اس سے پہلے کئی گتھیاں سلجھائی ہیں، کئی مسئلے حل کیے ہیں، کئی چوریوں کا سُراغ لگایا ہے۔“

”جی ہاں۔“عنبر نے گردن کو ذرا سا جھُکاتے ہوئے کہا۔ ”یہ سچ ہے۔“

”ہم نے کئی کام کیے ہیں۔“ عاقِب بولا۔ ”لیکن عنبر نے ہم سب سے زیادہ کام کیا ہے۔“

”نہیں، ہم تینوں مل کے کام کرتے ہیں۔“ عنبر بولا۔ ”اگر میرے ساتھ نسیم اور عاقِب نہ ہوں، تو میں شاید ایک بھی کام نہ کر سکوں۔ یہ اِتّفاق کی برکت ہے کہ کامیابی ہمارے قدم چومتی ہے۔ خیر، آپ ہمیں کچھ بتانے لگی تھیں۔“

”ہاں۔“نُصرت نے کہا۔”جیسا کہ تم جانتے ہو، میں بچّوں کی ادیبہ ہوں۔ بچّوں کے لیے ناول اور کہانیاں لکھتی ہوں۔ میری کہانیوں میں۔۔۔۔“

”جی، ہم جانتے ہیں۔“عنبر بولا۔”آپ کی کہانیوں میں زیادہ تر پریاں، بونے، بالشتیے، چڑیلیں اور جِن ہوتے ہیں، الف لیلہ کی کہانیوں کی طرح۔“

”ہاں۔“نُصرت نے کہا۔”میں یہی کہنے لگی تھی۔ آج سے پندرہ سال پہلے میں نے کہانیاں لکھنا شروع کیں تو خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ زندگی میں کبھی بالشتیوں سے ملاقات ہو گی۔“

”جب آپ نے کہانیاں لکھنا شروع کی تھیں تو اس وقت آپ بالشتیوں کو سچ مچ کی مخلوق نہیں سمجھتی تھیں؟“عنبر نے پوچھا۔

”نہیں۔“نُصرت نے کہا۔”آج سے پانچ چھ دِن پہلے تک میں اُنھیں سچ مچ کی مخلوق نہیں سمجھتی تھی۔“

”اور آج سے پہلے میں بھی نہیں سمجھتا تھا۔“نسیم نے کہا۔ ”لیکن کھڑکی کے اندر جھانکتے ہوئے اس بالشتیے کو میں نے اِن آنکھوں سے دیکھا ہے، اِن آنکھوں سے!“

”خیر، آپ اپنی بات جاری رکھیے۔“عنبر نے نُصرت سے کہا۔ ”آج سے پانچ چھ دِن پہلے آپ نے کیا دیکھا؟“

”ہاں، تو میں کہہ رہی تھی کہ آج سے پانچ چھ دِن پہلے تک میں اُنہیں سچ مچ کی مخلوق نہیں سمجھتی تھی، مگر اس رات اچانک میری آنکھ کھُل گئی۔ دراصل مجھے ایک پُراسرار سی آواز سنائی سی تھی!“

”پُراسرار سی آواز۔“نسیم نے حیرت سے کہا۔

”ہاں، ایسی آواز جیسے کوئی کُدال سے زمین کھُود رہا ہو۔ میں جاگ گئی اور کھڑکی میں سے جھانک کے دیکھا۔ نیچے چار بالشتیے دھما چوکڑی مچا رہے تھے! مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ میں نے غُسل خانے میں جا کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور دوبارہ کھڑکی میں واپس آئی تو بالشتیے اب بھی

وہاں موجود تھے اور قلابازیاں کھا رہے تھے۔ میں نے کہا کون؟ تو وہ اِدھر اُدھر غائب ہو گئے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ میں ڈر کے مارے نیچے نہیں گئی۔ تمھیں شاید علم نہیں کہ میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔"

"شاداب نگر میں آپ کا کوئی عزیز، رشتے دار نہیں؟" عنبر نے پوچھا۔

"میں اسی طرف آ رہی ہوں۔" نُصرت نے کہا۔ "اس پورے شہر بلکہ پوری دنیا میں میرا صرف ایک چچازاد بھائی ہے، اُلفت۔ وہ سول لائنز میں رہتا ہے۔ بالشتیوں کے غائب ہونے کے بعد وہ رات میں نے جیسے تیسے گزاری اور صبح چوکیدار سے کہا کہ رات یہاں چار بالشتیے گھوم رہے تھے۔ اس نے مجھے اس انداز سے گھورا جیسے میں پاگل ہو گئی ہوں۔ پھر میں نے سوچا کہ پولیس کو خبر کروں، لیکن بعد میں سوچا کہ پولیس بھی مجھے شاید پاگل سمجھے۔ تب میں نے اُلفت کو ٹیلی فون کر کے بُلایا۔ اور جانتے ہو اس نے میری بات سُن کے کیا کہا؟"

"کیا؟"

"یہ کہ پریوں، بالشتیوں اور چُڑیلوں کی کہانیاں لکھتے لکھتے میں اُنہیں سچ مچ کی مخلوق سمجھنے لگی ہوں۔ مجھے ایسی کہانیاں نہیں لکھنی چاہییں۔" نُصرت نے مُسکرا کر کہا۔ "اگر میں یہ کہانیاں لکھنا بند کر دوں بالشتیے مجھے پھر کبھی نظر نہیں آئیں گے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟" نُصرت بولی۔ "مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی چوکیدار کی طرح مجھے پاگل سمجھ رہا ہے۔ بہر حال، اس کے بعد دو راتیں آرام سے گزریں۔ لیکن تیسری رات پھر میری آنکھ کھُل گئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی کُدال سے زمین کھود رہا ہے!"

"آپ کی کہانیوں کے مطابق زمین کے نیچے تو بالشتیے رہتے ہیں، اور وہی چاندنی راتوں میں زمین کھود کر خزانے تلاش کرتے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔

"ہاں۔" نُصرت بولی۔ "میں نے سوچا، نیچے جا کر دیکھوں کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ چنانچہ میں نیچے چلی گئی۔ پہلی منزل پر، ایک کمرے کے

نیچے تہہ خانہ ہے۔ آواز اسی تہہ خانے کی طرف آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں زینہ اُتر کر تہہ خانے میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں۔۔۔۔"نُصرت سانس لینے کو رُکی۔

"آپ نے کیا دیکھا؟"نسیم نے بے صبری سے پوچھا۔

"میں نے دیکھا بالشتیا، کُدال ہاتھ میں پکڑے مجھے لال لال آنکھوں سے گھور رہا ہے!"

"میں نے جس بالشتیے کو ابھی ابھی کھڑکی میں دیکھا تھا اس کی آنکھیں بھی لال تھیں۔"نسیم نے جلدی سے کہا۔"پھر اس بالشتیے نے کیا کِیا؟"

"ایک منٹ۔" عنبر نے کہا پھر نُصرت پوچھا۔"پہلے آپ یہ بتایئے کہ کمرے میں اندھیرا تھا یا روشنی؟"

"میں نے کمرے کا بلب نہیں جلایا تھا، لیکن بالشتیے کے ہاتھ میں موم بتّی تھی جس کی روشنی میں مَیں نے اُس کی سُرخ سُرخ آنکھیں دیکھیں۔"

نُصرت نے بتایا۔

"پھر؟" عنبر نے بے تابی سے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"جب میں آگے بڑھی تو اس نے پھونک مار کے موم بتّی بُجھا دی۔ چند لمحوں بعد میں نے بجلی کا بٹن دبایا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ میں ڈر گئی اور چیخ مار کے زینے پر چڑھنے لگی، لیکن پہلی منزل پر نہ پہنچ سکی۔"

"کیوں؟" عاقِب بولا۔

"اس لیے کہ کسی نے دوسری طرف سے دروازہ بند کر دیا تھا؟" نُصرت نے کہا۔

اُسی لیے دوسرے کمرے میں سے دھڑام کی آواز آئی اور سب چونک پڑے!

تصویر ِگر پڑی

”یہ۔۔۔۔یہ کیا؟“نسیم نے گھبر ائے ہوئے لہجے میں کہا۔

نُصرت کے چہرے پر ایک لمحے کو پریشانی اور جھنجھلاہٹ نظر آئی، لیکن اگلے ہی لمحے وہ بولی۔ ”کچھ نہیں۔شاید لائبریری میں میری تصویر ِگر پڑی ہے۔“

نُصرت نے صحیح کہا تھا۔ جب وہ لوگ لائبریری میں پہنچے تو نُصرت صدّیقی کی بڑی سی تصویر زمین ہر ِگری پڑی تھی۔ عنبر نے نزدیک جا کے تصویر کو

غور سے دیکھا اور پھر اعلان کیا۔ "یہ تصویر خود بخود نہیں گِری، گرائی گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کی ڈوری کو قینچی سے کاٹا گیا ہے، وہ خود نہیں ٹوٹی۔"

"اوہ!" نُصرت نے رومال سے چہرے کو پونچھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ کارستانی بھی بالشتیوں ہی کی ہے۔"

"ہم تصویر ٹانگتے ہیں۔ آپ اپنی کہانی سُنائیے۔" عنبر نے کہا۔ "آپ بند تہہ خانے میں نے کیسے نکلیں؟"

"بس، اتّفاق ہی تھا۔ صُبح سویرے اُلفت مجھ سے ملنے آیا اور جب مُجھے اس کے قدموں کی چاپ سُنائی دی تو میں نے دروازے کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے دروازہ کھول کے مجھے باہر نکالا۔ میں نے اُسے رات کا واقعہ سُنایا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کو سوتے ہیں چلنے کی بیماری ہے، اس لیے

اس مکان میں تنہا رہنے کے بجائے میرے ساتھ میرے گھر میں رہئے۔ اس نے مجھے یہ مکان بیچنے کا بھی مشورہ دیا تھا۔"

عنبر ٹوٹی ہوئی ڈوری جوڑ چُکا تھا۔ اس نے کہا۔ "ایک منٹ ٹھہریں۔ میں ذرا اس تصویر کو لٹکا دوں۔" وہ اسٹول میں کھڑا ہو کے تصویر لٹکانے لگا۔

یکایک اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ خاص مُسکراہٹ اس وقت اس کے چہرے پر نمودار ہوتی تھی جب وہ کسی گتھّی کو سُلجھا لیا کرتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" نسیم نے پوچھا۔

"لگتا ہے، میں نے سونے کی پیٹی کی گُمشدگی کی گتھّی کو سُلجھا لیا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"سچ؟" عاقِب بولا۔ "کیسے؟"

"بس، اس وقت اتنا ہی کافی ہے۔" عنبر نے اسٹول سے نیچے اُترتے ہوئے

کہا۔ ”اِس وقت ہم بالشتیے کی گتھّی کو سلجھا رہے ہیں۔ ہمیں اِدھر ہی توجّہ دینی چاہیے۔“

”آؤ، دوسرے کمرے میں چلیں۔“نُصرت بولی۔

دُوسرے کمرے میں جا کے اس نے پھر اپنی کہانی شروع کی۔ ”جب اُلفت نے یہ کہا کہ میں بیمار ہو گئی ہوں اور سوتے میں چلنے لگی ہوں تو میں نے غصّے میں آ کے اُسے بُرا بھلا کہا اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ میں ناشتہ کر کے لائبریری میں آئی تا کہ کتاب لکھنا شروع کروں، لیکن میری ساری کتابیں اُلٹ پلٹ پڑی تھیں۔ لگتا تھا بالشتیے مجھے نیچے بند کر کے لائبریری میں آ گئے تھے اور میری کتابوں کو اُلٹ پلٹ کرتے رہے تھے!“

”آپ کی کوئی چیز بھی چوری ہوئی؟“عنبر نے پوچھا۔

”نہیں۔“نُصرت نے جواب دیا۔ ”اسی سے میں سمجھی کہ یہ بالشتیوں کا کام ہے۔ دراصل بعض بالشتیے بُرے ہوتے ہیں اور وہ انسانوں کو ستا کے خوش ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے، وہ میری کسی کہانی سے ناراض ہو کے مجھے

ستانے لگے ہیں۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب حیرت سے نُصرت کی باتیں سُن رہے تھے۔

”میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا، میں اِس سِلسلے میں پولیس کی مدد لینے کو بھی تیّار نہیں ہوں، نہ اُلفت کے گھر جانا چاہتی ہوں اور نہ یہ گھر بیچنا پسند کرتی ہوں۔۔۔۔ بتاؤ، کیا کروں؟ یہ بالشتیے تو مجھے پاگل کر دیں گے۔ اگر کسی طرح تُم مجھے اِن سے نجات دِلا سکو تو میں۔۔۔“

”آپ گھبرایئے نہیں۔“عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔”ہم انشاء اللہ اس گتھّی کو سُلجھا کے ہی چھوڑیں گے، آپ کو ہماری مدد کرنا ہوگی۔“

”میں حاضر ہوں۔ تم کہو۔“نُصرت بولی۔

”سب سے پہلے ہمیں ایک جال بچھانا ہو گا۔“عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں مسلتے ہوئے کہا۔

”کیسا جال؟“

”انسانی جال۔“عنبر بولا۔”اس جال سے ہم ایک بالشتیا پکڑیں گے۔ جب تک ہم کم از کم ایک بالشتیا نہ پکڑ لیں، کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔“ عاقِب نے کہا۔”لیکن انسانی جال سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“

”بھئی، سیدھی سی بات ہے۔ ہم میں سے ایک سُراغ رساں کو رات یہاں گزارنا ہو گی، اور وہ ایک عدد بالشتیا پکڑنے کی کوشش کرے گا۔“عنبر نے کہا۔

”ہم میں سے ایک؟“نسیم بولا۔”یعنی تُم؟“

”نہیں۔“عنبر نے کہا۔”تُم!“

”م۔۔۔۔ مگر۔“ نسیم نے ہکلاتے ہوئے کہا۔”مجھے تو بالشتیے پکڑنے کا کوئی شوق نہیں۔“

”تمہیں یہ شوق پیدا کرنا پڑے گا۔“ عنبر نے کہا۔”کیوں کہ بالشتیے کو

پکڑنے کے لیے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو طاقت ور، بہادر اور پھُرتیلا ہو۔ میں خاصا طاقت ور اور بہادر ہوں، لیکن پھُرتیلا نہیں ہوں۔ عاقِب بہادر ہے اور پھُرتیلا بھی، لیکن طاقت ور نہیں ہے۔ البتّہ تم طاقت ور بھی ہو، بہادر بھی ہو اور پھُرتیلے بھی۔"

"ہم تینوں ہی کیوں نہ یہ کام کریں؟" نسیم نے کہا۔ "تینوں رات کو تین تین گھنٹے پہرا دیں گے۔"

"مجھے تو آج رات امّی اور ابّو کے ساتھ چچا کے ہاں جانا ہے۔ میرے چچازاد بھائی نعیم کی سال گرہ ہے۔" عاقِب نے اعلان کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اور عنبر یہاں رہیں گے۔" نسیم نے کہا۔ "بزرگ کہتے ہیں کہ ایک اکیلا، دو گیارہ۔"

"میں تم لوگوں کی بہت شکر گزار ہوں۔" نُصرت نے کہا۔ "مگر یہ دیکھ لو کہ اس کام میں کوئی خطرہ تو نہیں۔"

”نہیں۔“عنبر بولا۔”آپ کو بھی ابھی تک اُنہوں نے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچایا۔ اور جہاں تک میں سمجھا ہوں، بالشتیوں کا مقصد آپ کو ستانا ہی ہے، نقصان پہنچانا نہیں۔“

”تو ٹھیک ہے آج رات تم دونوں یہاں رہو گے۔“نُصرت نے کہا۔”کب تک آجاؤ گے؟“

”اندھیرا ہونے کے بعد ہی آئیں گے۔“عنبر نے جواب دیا۔”اور کوشش کریں گے کہ اتنی خاموشی اندر آئیں کہ آپ کے سوا کسی کو ہمارے آنے کا علم نہ ہو۔“

”ٹھیک ہے، میں دروازہ کھُلا رکھوں گی۔“

”اچھّا، اب ہمیں اجازت دیں۔“عنبر نے اُٹھتے ہو۔

باہر اللہ داد اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ نسیم تیزی سے کار کی طرف بڑھا تو عنبر نے کہا۔”ٹھہرو ابھی ہمیں کچھ اور کرنا ہے۔“

”کیا؟“ نسیم نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ ”ذرا نُصرت منزل کے اِرد گرد ایک نظر ڈال لیں۔

”اچھا۔“ نسیم نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

”ہو سکتا ہے بالشتیوں کے بارے میں کوئی سُراغ مل جائے۔“ عنبر بولا۔

تینوں دوست نُصرت منزل کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پہلے اُنھوں نے بائیں جانب دیکھا اور پھر دائیں جانب۔ بائیں طرف قومی بینک تھا، جس کی دیوار نُصرت منزل کی چھوٹی سی گلی کے ساتھ تھی۔ دوسری جانب، نُصرت منزل کے صحن کے باہر، دیوار کے ساتھ تماشا گھر سینما تھا جس کا راستہ دیوار کے ساتھ ساتھ گیا تھا۔ عنبر، نسیم اور عاقِب اِدھر ہی کو ہو لیے اور سینما کے دفتر کے دروازے کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔

”میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ بالشتیے اِدھر سے تو نہیں آتے۔“ عنبر نے کہا۔ ”باقی دونوں طرف تو کوئی راستہ نہیں اور تیسری طرف سڑک ہے۔ سینما

کی گلی ہی ایسی جگہ ہے جدھر سے کوئی شخص یا بالشتیا۔۔۔"

وہ ابھی یہیں تک کہہ پایا تھا کہ عاقِب نے آگے بڑھ کے اس کا دایاں ہاتھ زور سے کھینچا۔ عنبر خاموش ہو گیا۔

"کوئی اندر رہے!" عاقِب نے دروازے سے کان لگا کر آہستہ سے کہا۔

"ہوں!" عنبر نے بھی آہستہ سے کہا اور دروازے سے کان لگا کر سُننے لگا۔ دروازہ بند تھا، مگر اندر سے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نسیم بھی دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"لگتا ہے، کسی نے اندر سونے کی پیٹی کا ذکر کیا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"شی!" عاقِب بولا۔ "مجھے بھی کچھ سُنائی دیا ہے۔ شاید عجائب گھر!"

"ارے!" نسیم بولا۔ "کہیں ہم سونے کی پیٹی کے چوروں تک پہنچنے میں تو کامیاب نہیں ہو گئے؟" خوشی کے مارے اُس کی آواز ذرا اُونچی ہو گئی تھی۔

اُسی لمحے اچانک دروازہ کھلا اور تینوں سُراغ رساں جو دروازے سے لگے

کھڑے تھے، دھڑام سے گِر پڑے۔

”جاوید صاحب!“ ایک بھاری آواز گونجی۔ ”پولیس کو بُلائیے۔ میں نے چند اُچکّے پکڑے ہیں؟“

تماشا گھر میں

”دیکھیے، صاحب!“ عنبر اِطمینان سے کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا۔ ”آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم تینوں دوست یہاں سے گزر رہے تھے کہ اندر سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ ہم نے سوچا، کوئی چور اُچکا نہ ہو، کیوں کہ سینما تو بند ہے، اس لیے ہم رُک گئے اور آپ لوگوں کی باتیں سُننے کی کوشش کرنے لگے۔“

”اچھا!“ اس آدمی نے کہا جسے بھاری آواز والے آدمی نے جاوید کہہ کے

پکارا تھا ”اُنہیں چھوڑ دو، رؤف!“

”چھوڑ دوں؟“ رؤف نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں!“ جاوید نے کہا۔ ”اچھا لڑکو! یہ تو بتاؤ، تمہیں ہم پر چور اُچکّے ہونے کا شُبہ کیسے ہوا؟“

عنبر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ نسیم جلدی سے بولا۔ ”ہمیں اندر سے سونے کی پیٹی اور عجائب گھر کے الفاظ سنائی دیے تھے۔“

”ہُوں!“ رؤف غرّایا۔ ”میں کہتا ہوں جاوید صاحب، کیوں نہ اِن کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے؟ یہ بہت چالاک معلوم ہوتے ہیں۔“

”ابھی ٹھہرو۔“ جاوید نے کہا۔ پھر لڑکوں سے بولا۔ ”دیکھو! میرا نام جاوید احمد ہے اور میں اس سینما کا مالک ہوں۔ میں نے اِسے دس لاکھ روپے میں خریدا ہے۔ اب میں اسے گِرا کے اس کی جگہ ایک شاپنگ پلازا بناؤں گا۔ باقی رہی سونے کی پیٹی اور عجائب گھر کی بات تو میں رؤف سے کہہ رہا تھا کہ

یہ سینما سونے کی پیٹی یعنی صندوق ہے اور اِسے مارکیٹ بنا کر ہمیں بے انتہا فائدہ ہو گا۔"

"اور عجائب گھر؟" نسیم نے پوچھا۔

"یہ سینما پُرانی طرز کا ہے۔ میں رؤف سے کہ رہا تھا کہ یہ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کوئی عجائب گھر ہو۔"

"اوہ!" عنبر کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔ "ہم سمجھے تھے کہ ہم نے عجائب گھر سے چوری ہونے والی سونے کی پیٹی کا سُراغ لگا لیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے، تم اس چوری کے بارے میں اخبارات کی خبریں کچھ زیادہ ہی دلچسپی سے پڑھتے رہے ہو۔" جاوید ہنسنے لگا۔

"اور ان کا دماغ بھی کچھ زیادہ ہی تیز معلوم ہوتا ہے" رؤف نے کہا۔ "شاید سے اُن پُراسرار آوازوں کے بارے میں کچھ معلوم کر سکیں جو رات کو اس سینما میں سنائی دیتی ہیں۔"

”پُراسرار آوازیں؟“نسیم نے حیرت سے کہا۔

”ہاں!‘ جاوید بولا۔ ”رؤف سینما کا چوکیدار ہے اور اس کا کہنا ہے کہ رات کو یہاں پُراسرار آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن در حقیقت یہ آوازیں پُراسرار نہیں ہیں۔ اس سینما کو بند ہوئے بہت دِن ہو چکے ہیں، اس لیے اس میں چوہوں اور چمگادڑوں نے بسیرا کر لیا ہے۔ یہ آوازیں اُنہی کی ہوں گی۔ رؤف تو خواہ مخواہ ڈرتا ہے۔“

”اوہ!“نسیم کی حیرت اب دُور ہوتی جارہی تھی۔

”اچھا، اب ہم چلتے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہمیں پتا نہ تھا کہ آپ اس سینما کے مالک ہیں، اور اسی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ہم غلط فہمی کی مُعافی چاہتے ہیں۔“

”اچھا، خدا حافظ۔“ جاوید نے مُسکرا کر کہا۔ ”لیکن دیکھو، آئندہ خواہ مخواہ لوگوں پر چوری کا شُبہ نہ کرنا۔ ہم نے تو تمھیں چھوڑ دیا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر آدمی ہم جیسا ہی شریف ہو۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب باہر سڑک پر آ گئے اور اللہ داد نے اُنہیں مرسیڈیز کار میں کریم انٹر پرائز پہنچا دیا۔ عاقِب اپنی سائیکل پر گھر چلا گیا تو عنبر نسیم سے کہنے لگا:

"تُم ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے یہاں پہنچ جانا اور رات میرے ساتھ گزارنے کی اِجازت لے آنا۔"

"ٹھیک ہے۔" نسیم نے کہا۔ "تم کہو تو میں چند منٹ پہلے ہی یہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"اللہ داد، تمھیں بھی ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے یہاں آنا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"میں سمجھ گیا، میاں" اللہ داد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ اللہ داد ننّھے سُراغ رسانوں کے کام میں بہت دلچسپی لیا کرتا تھا۔ "اب میں جاؤں؟"

"ہاں، اب جاؤ۔" عنبر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "خدا حافظ!"

جب عنبر گھر میں داخل ہوا تو خالہ نے اُسے دیکھتے ہی زور سے کہا۔ "اتنی

دیر تک کہاں غائب رہے؟ ایک لڑکا آدھ گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

ایک لڑکا

”ایک لڑکا؟“عنبر نے حیرت سے کہا۔

”ہاں، ایک لڑکا۔“ خالہ جان نے بتایا۔ ”اس کا نام طارق جوّاد ہے اور وہ آدھ گھنٹے سے بیٹھا ہوا ہے۔ بہت دل چسپ لڑکا ہے۔ بڑی مزے دار باتیں کرتا ہے۔“

”ٹھیک ہے، خالہ جان۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن پہلے مجھے آپ سے اجازت لینا ہے۔“

”کیسی اجازت؟“

”آج رات ہمیں ایک خاتون کے ہاں رہنا ہے۔ وہ چچا مسرُور کی رشتے دار ہیں۔“

”کیوں خیریت؟“ خالہ جان نے حیرت سے پوچھا۔

”دراصل اُنہیں رات کو کچھ آوازیں سُنائی دیتی ہیں، اور ہم اِسی سلسلے میں اُن کے ہاں رات گزارنا چاہتے ہیں۔ نسیم بھی میرے ساتھ رہے گا۔“

”میں کس کے ساتھ رہوں گا؟“ نسیم نے سائیکل سے اُترتے ہوئے پوچھا۔

”ارے! تم گھر نہیں گئے؟“ عنبر نے کہا۔

”میں راستے ہی سے واپس آ گیا۔“ نسیم بولا۔ ”مُجھے تُم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔“

”آؤ، اندر چلتے ہیں۔ طارق جوّاد آیا ہوا ہے۔“

”کون طارق جوّاد؟“ نسیم نے پوچھا۔

”یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔“عنبر بولا۔

چند منٹ بعد عنبر، نسیم اور طارق جوّاد خفیہ ہیڈ کوارٹر میں باتیں کر رہے تھے۔

”مجھے آپ لوگوں سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔“ طارق نے کہا۔ ”میرے ابّو جوّاد علی ریاست ٹیکم گڑھ کے پولیس کمشنر۔۔۔“

”اچھا، اچھا!“عنبر نے کہا۔ ”ہم اُن سے مِل چکے ہیں اور ہم نے اُنہیں پیش کش کی تھی کہ۔۔۔۔۔“

”کیا سونے کی پیٹی کا کچھ سُراغ ملا؟“نسیم نے جلدی سے پوچھا۔

”نہیں!“ طارق نے کہا۔ ”اور میں اِسی سلسلے میں آیا ہوں۔ ابّو نے کہا ہے کہ اس وقت وہ سخت پریشان تھے، اس لیے اُنہوں نے تمھیں جھِڑک دیا۔“

”نہیں، ان کی بات صحیح تھی۔“ عنبر نے کہا۔ ”سونے کی پیٹی جیسی قیمتی

چیزوں کا سُراغ کم عُمر لڑکے نہیں لگا سکتے۔"

"پھر بھی اُنہوں نے کہا ہے کہ اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہو تو اُنہیں بتا دو۔" طارق نے کہا۔

"بات؟" عنبر نے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔"

"اور یہ بات تمہارے ذہن میں نُصرت صاحبہ کی تصویر لٹکاتے ہوئے آئی تھی۔" نسیم بولا۔

"ہاں" عنبر مُسکرایا۔

"بس!" نسیم بولا۔ "میں یہی جاننے کے لیے آدھے راستے سے لوٹ آیا۔"

"طارق، پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے ابّو کو اس بارے میں اب تک کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں؟" عنبر نے پوچھا۔

طارق نے بتایا کہ اس کے ابّو نے ہر مشکوک آدمی سے پُوچھ گُچھ کی لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ ان کا خیال ہے کہ چوروں نے ہیروں کی

دھنک کے بجائے سونے کی پیٹی اِس لیے اُڑائی کہ ہیروں کی دھنک بہت قیمتی ہے اور بجلی بجھتے ہی اس کے گِرد پہرے دار کھڑے ہو گئے تھے۔ ان باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے چوروں نے سونے کی پیٹی اُڑالی، حالانکہ اس کو عجائب گھر سے باہر لے جانا آسان کام نہیں۔"

"انور علی نے کیا بیان دیا، اور اسے کیوں چھوڑ دیا گیا؟" عنبر نے پوچھا۔

"اُس کا بیان بڑا دل چسپ تھا۔" طارق نے کہا۔ "تمھیں شاید اس بات کا علم ہو کہ وہ ایک دو فِلموں میں کام کر چکا ہے۔"

"ہاں۔"

"اس کا بیان ہے کہ اسے پرسوں ڈاک سے ایک خط اور ایک پارسل ملا تھا۔ پارسل میں سُرخ رنگ کا ایک مصنوعی ہیرا تھا۔"

"اس خط میں کیا تحریر تھا؟" نسیم نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس میں لکھا تھا کہ اگر انور علی باقر علی میوزیم کی نمائش میں نقلی ہیرا

فرش پر پھینک دے اور وہاں موجود لوگوں کو اپنی طرف متوجّہ کر لے تو اسے نادیہ فِلمز کی اگلی پیش کش 'ہیروں کے چور' میں ایک اہم کردار دے دیا جائے گا۔ لیکن جب ابّو خط میں دیے ہوئے پتے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ ایک فرضی پتا تھا۔" طارق نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ چوروں نے انور علی کو کھلونا بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "ویسے انور علی خود بُرا آدمی نہیں ہے۔"

"ہاں، ہمیں یہی پتا چلا ہے۔" طارق بولا۔ "لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ سونے کی پیٹی کا ابھی تک کوئی سُراغ نہیں مل سکا۔"

"میرا خیال ہے، سونے کی پیٹی ابھی عجائب گھر ہی کے اندر موجود ہے!" عنبر نے اچانک ایک دھماکا کیا۔

"وہ کیسے؟" طارق نے اُچھل کر کہا۔

"چور نے پیٹی چُرا کے عجائب گھر کے اندر ہی کہیں رکھ دی اور تلاشی دے

کے باہر نکل گیا۔ اب کسی دِن موقع پا کے وہ اُسے نکال لے گا۔"

"لیکن نمائش تو بند ہو چکی ہے۔" طارق بولا۔ "کبھی تو کھلے گی۔ ایک دِن میں، دو دِن میں۔" عنبر نے کہا۔ "چور انتظار کرتا رہے گا۔"

"مگر وہ پیٹی عجائب گھر میں کیسے ہو سکتی اور کہاں ہو سکتی ہے؟" طارق کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کسی تصویر کے پیچھے۔" عنبر نے کہا۔ "تم اپنے ابّو سے کہو کہ عجائب گھر میں جتنی تصویریں ہوئی ہیں، ان کے پیچھے دیکھیں۔ مجھے سو فی صد یقین ہے کہ پیٹی مل جائے گی۔" طارق یہ سُنتے ہی چلا گیا کیوں کہ وہ جلد از جلد اپنے ابّو کو یہ بات بتانا چاہتا تھا۔

نسیم کہنے لگا۔ "تو یہ تھا وہ خیال جو نُصرت منزل میں تصویر لٹکاتے ہوئے تمہارے ذہن میں وہاں آیا تھا۔"

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "عجائب گھر کا کونا کونا دیکھا گیا ہو گا، ہر شخص کی

تلاشی لی گئی ہو گی، مگر تصویروں کی طرف ابھی تک کسی کا خیال نہ گیا ہو گا۔

”اچھا، عنبر، یہ تو بتاؤ، آج رات تمھیں کیا توقع ہے؟ کیا ہم بالشتیا پکڑنے میں کام یاب ہو جائیں گے؟“

”ہو سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اپنی طرف سے تو ہم پوری کوشش کریں گے۔“

”ویسے تمھارے خیال میں میں نے نُصرت منزل کی کھڑکی میں کیا دیکھا تھا اور نُصرت صاحبہ کیا دکھتی رہی ہیں؟“

”بالشتیے!“ عنبر نے کہا۔ ”حالانکہ بالشتیوں کا وُجود صرف کہانیوں ہی میں ہے۔ ان کا حقیقت سے دور کا بھی تعلّق نہیں۔

پکڑے گئے

نسیم نے دیکھا کہ تین بالشتیے غار میں کھُدائی کر رہے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی کُدالیں اور پھاوڑے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ، دبے پاؤں، آگے بڑھا تو دیکھا کہ بالشتیے تو چھ ہیں۔ وہ بہت حیران ہوا کہ اُس نے چھ بالشتیوں کو تین کیسے سمجھ لیا!

اتنے میں اچانک ایک بالشتیے نے زور سے چھینک ماری۔ شاید اُس کی ناک میں مٹّی گھُس گئی تھی۔ نسیم کو بھی اپنی ناک میں کھُجلی محسوس ہوئی۔ اُس

نے چھینک کو روکنا چاہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا بالشتیوں کو اس کی موجودگی کا پتا چل جائے۔ اُس نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ مگر توبہ کرو۔ آنے والی چھینک بھی کہیں رکتی ہے۔

"آخ چھیں!"

نسیم نے زور سے چھینک ماری۔ اس کا چھینکنا تھا کہ سارے بالشتیے کُدال اور پھاوڑے لے کر اس کی طرف لپکے۔

ایک بالشتیے نے زور سے کُدال اس کے سر پر ماری اور وہ درد کے مارے چیخنے لگا۔ "ہائے! ہائے! ہائے!"

"ارے! ارے!" عنبر نے نسیم کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا؟ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے تھے؟"

"اوہ!" نسیم نے آنکھیں جھپکتے ہوئے اِرد گرد دیکھا۔ وہ عنبر کے ساتھ مرسیڈیز کار میں بیٹھا تھا جسے اللہ داد چلا رہا تھا۔ یکایک وہ سب کچھ سمجھ گیا۔

وہ اور عنبر نُصرت منزل جا رہے تھے اور راستے ہیں وہ اونگھ گیا تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور مُسکرا کے بولا:

"ایک بالشتیے نے کُدال مار کے میرا سر پھوڑ دیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ خواب میں۔"

"تو جناب سو رہے تھے۔" عنبر ہنسا۔ "چلو، باتیں کرتے رہو تا کہ دوبارہ نہ سو جاؤ۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" نسیم نے کہا۔ "تم یہ بتاؤ، کہ ہم بالشتیوں کو پکڑنے کے لیے کیا سامان لے جا رہے ہیں؟"

"ایک تو ہے پولورائڈ کیمرا۔" عنبر نے کہا۔ "جو ہمارا سب سے ہے اہم ہتھیار ہے۔"

"وہ کیسے؟" نسیم نے کہا۔

"اس سے ہم بالشتیے کی تصویر اُتاریں گے۔" عنبر بولا۔ "اس کیمرے کی یہ

صفت ہے کہ چند سیکنڈ کے اندر اندر تصویر تیّار ہو کے باہر آ جاتی ہے۔"

"اور۔۔۔؟"

"اور دوسری چیز ہے، ٹیپ ریکارڈر، بالشتیوں کی آوازیں ریکارڈ کرنے کے لیے۔ تیسری ہے، دو دستانے، بالشتیوں کو پکڑنے کے لیے۔"

"خوب!" نسیم نے کہا۔ "اور کیا ہے؟"

"سو فٹ لمبی نائیلون کی ڈوری، بالشتیے کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے لیے۔" عنبر نے بڑے جوش سے کہا۔ "اور ہاں میرے پاس میرا چاک بھی ہے۔ سفید چاک۔"

"میرے پاس بھی میرا چاک ہے، نیلے رنگ کا۔ یہ رہا۔" نسیم نے جیب سے چاک نکال کر عنبر کو دکھایا۔

تینوں سُراغ رساں اپنے پاس الگ الگ رنگ کے چاک رکھتے تھے۔ سفید چاک عنبر کے پاس ہوتا تھا۔ نیلا نسیم کے پاس اور سبز عاقِب کے پاس۔

جب کوئی سُراغ رساں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جاتا تو وہ درختوں، دیواروں یا کھمبوں وغیرہ پر اپنے چاک سے سوالیہ نشان بنادیتا جسے دیکھ کے دوسرے سُراغ رساں سمجھ جاتے کہ وہ یہاں سے گزرا ہے۔ اِن سوالیہ نشانوں نے کئی بار ننھے سُراغ رسانوں کی مدد کی تھی۔

اب نُصرت منزل آنے والی تھی۔ عنبر نے اللہ داد سے کار روکنے کے لیے کہا۔ وہ نُصرت منزل کے سامنے کار سے اُترنا نہ چاہتا تھا۔ چناں دونوں نُصرت منزل سے پچاس گز اِدھر ہی اُتر گئے اور اللہ داد کار واپس لے گیا۔

نُصرت منزل کا دروازہ بند تھا مگر اس کی چٹخنیاں نہیں لگی تھیں۔ عنبر اور نسیم دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ نُصرت صدّیقی اُن کا انتظار رہی تھی۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔" نُصرت نے کہا۔ "میں تو بہت گھبرا رہی تھی۔"

"گھبرایئے نہیں۔" عنبر نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "اب ہم آ گئے ہیں،

آپ اطمینان سے سو جایئے۔“

نُصرت سونے کے کمرے میں چلی گئی اور عنبر اور نسیم اسی کمرے میں ٹھہر گئے۔ نُصرت نے اُن کے لیے کمرے میں دو پلنگ بچھا دیے تھے۔

”کیا ہم ان پلنگوں پر سوئیں گے؟“ نسیم نے للچائی ہوئی نظروں سے بستر کی طرف دیکھا۔

”ہاں، ابھی تو سوئیں گے۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”تاکہ آدھی رات کو بالشتیے آئیں تو تازہ دم ہو گے انہیں پکڑنے کی کوشش کریں۔“

عنبر میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ جب چاہتا، سو جاتا۔ اب بھی وہ بستر پر لیٹا تو چند ہی لمحوں میں سو گیا۔ نسیم بھی لیٹ گیا، لیکن ایک تو وہ کار میں اونگھ گیا تھا، دوسرے عنبر کی طرح نیند اس کے بس میں نہ تھی، اس لیے وہ چھت میں لگے ہوئے بجلی کے پنکھے کے پروں کو دیکھنے لگا۔ پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

آدھی رات کو وہ ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھا۔ تہہ خانے طرف سے ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ پلنگ پر اُٹھ کے بیٹھ گیا، اور پھر کھڑکی کے پاس جا کر نیچے جھانکا۔ صحن میں چار بالشتیے ناچ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک قلابازیاں لگانے لگا اور باقی بھی اُس کی دیکھا دیکھی قلابازیاں کھانے لگے۔ اس نے سوچا کہ عنبر کو جگا دے، لیکن اسی لمحے زور سے بجلی چمکی، لیکن گرج کی آواز نہ آئی!

ارے! یہ تو عنبر کے کیمرے کی فلیش لائٹ تھی جس سے اس نے بالشتیوں کی تصویر اُتاری تھی۔

"تم اٹھ گئے، نسیم! میں نے تصویر اتار لی ہے۔" عنبر نے خوشی سے کہا۔ "آؤ، نیچے چلیں اور کسی بالشتیے کو پکڑنے کی کوشش کریں۔"

"چلو۔" نسیم نیچے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ارے! ایک اور آگیا۔ اب پانچ بالشتیے ہو گئے ہیں۔"

"اور تم نے دیکھا کہ وہ فوٹو لینے سے بھی نہیں ڈرتے۔"

اب وہ دونوں سیڑھیاں اُتر کر نیچے جا رہے تھے۔ تہہ خانے میں سے کھدائی کی آوازیں برابر آرہی تھیں۔

"کیوں نہ ہم پہلے تہہ خانے میں جائیں؟" نسیم نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں۔" عنبر بولا۔ "ہمیں بالشتیے کو پکڑنے کا اس سے اچھا موقع شاید پھر کبھی نہ ملے۔ ہمیں جلد از جلد صحن میں پہنچنا چاہیے۔"

"جلدی کی کیا ضرورت ہے؟"

"نُصرت صاحبہ کے جاگنے سے پہلے ہمیں اپنا کام ختم کرنا ہے۔"

"ویسے تمہارے خیال میں یہ بالشتیے یہاں کیوں آتے ہیں؟" نسیم نے پوچھا۔

"ان بالشتیوں کا یہاں آنے کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے، اور وہ ہے نُصرت منزل فروخت کروانا۔" عنبر نے دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ ہوئے کہا۔ بالشتیے اب باڑ کے پاس چلے گئے تھے اور عنبر اور نسیم بے خبری

میں ان پر حملہ کرنے والے تھے۔

”کیوں؟“ نسیم نے پوچھا۔ ”اس سے بالشتیوں کو کیا فائدہ ہو گا؟“

”بالشتیوں کو نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اُلفت کو فائدہ ہو گا، جو نُصرت صاحبہ کا رشتے دار ہے۔“

”تمہارا خیال ہے کہ یہ اُلفت کی کارستانی ہے؟“

”ہاں، ہو سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”لو، اب ہم ان کے کافی قریب پہنچ چکے ہیں۔ تم کسی بالشتیے کو قابو میں کرو میں نائیلون کی ڈوری سے اُسے باندھ لوں گا۔“

”دھڑام!“ نسیم نے پوری طاقت سے بالشتیوں پر چھلانگ لگائی، لیکن وہ سب دائیں بائیں بھاگ گئے۔

”پکڑ لو!“ عنبر بولا۔ ”جانے نہ پائے۔ شاباش!“

نسیم بجلی کی سی پھُرتی سے پھر جھپٹا، مگر بالشتیے بھی اتنی ہی تیزی سے

دوڑے۔ عنبر نسیم کی مدد کے لیے آگے بڑھا تو اس کے کیمرے کی ڈوری ایک درخت کی شاخ میں اٹک گئی۔ کیمرا نیچے گر پڑا۔ جب وہ سنبھلا تو چار بالشتیے غائب ہو چکے تھے، صرف ایک بالشتیا بھاگ رہا تھا اور نسیم اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ پھر یہ بالشتیا بھی بھاگ کے دیوار پر چڑھ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سینما والی طرف کود گیا۔

"نسیم، جلدی!" عنبر چلّایا۔ وہ بھی اب دیوار کے پاس آ گیا تھا۔ جب وہ دونوں دیوار پھاند کے سینما کی گلی میں داخل ہوئے تو وہاں پانچوں بالشتیے موجود تھے اور ایک ایک کر کے اس کمرے اندر جا رہے تھے جس میں ننھے سُراغ رسانوں کی جاوید اور رؤف سے ملاقات ہوئی تھی۔

"ٹھہرو!" عنبر نے کہا مگر نسیم تیزی سے بھاگتے ہوئے دروازے میں داخل ہو گیا تھا اور عنبر نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ وہ بھی اندر چلا جائے۔ عنبر کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے پلٹ کے دروازے کو کھولنا چاہا مگر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اندر اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ

دیتا تھا۔

"نسیم! نسیم!" عنبر بولا۔ "تم میری آواز سُن رہے ہو؟"

"ہاں" نسیم کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔

"تمہاری آواز کیوں نہیں نکل رہی ہے؟" عنبر نے کہا۔ "خیریت تو ہے؟"

"مجھے، مجھے بالشتیوں نے پکڑ لیا ہے۔" نسیم کی خوف سے بھری ہوئی آواز آئی۔ "بچاؤ! بچاؤ"

مُقابلہ

اچانک عنبر کو یاد آیا کہ اس کی جیب میں ٹارچ ہے۔ اس نے فوراً ٹارچ جلائی۔ نسیم کو تین بالشتیوں نے پکڑ رکھا تھا۔ عنبر اُن پر پِل پڑا۔ نسیم نے بھی پورا زور لگایا اور اپنے آپ کو بالشتیوں سے چھڑا لیا۔

بالشتیے پھر عنبر اور نسیم کی طرف بڑھے، لیکن وہ ہوشیار تھے۔ اُنہوں نے چھلانگ لگائی اور کمرے سے نکل کر سینما کے ہال میں داخل ہو گئے۔ بالشتیے اُن کے پیچھے پیچھے تھے، اور وہ ہال کی ٹوٹی پھوٹی کرسیوں پر سے چھلانگیں لگاتے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

اچانک ایک چمگادڑ اُڑتی ہوئی آئی اور زور سے نسیم کے سر سے ٹکرائی۔ نسیم چلّایا۔ ”چمگادڑ!“

”باہر نکلنے کی کوشش کرو۔“ عنبر چیخا۔ ”چمگادڑوں کی پروانہ کرو۔“

”نسیم ایک بند دروازے کی طرف بڑھا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ تین بالشتیے اور آ گئے۔ اب بھاگنا بے کار تھا۔

عنبر بولا۔ ”جلدی کرو۔ کوئی اور راستہ دیکھو۔“

”مجھے تو کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔“ نسیم بولا۔

”میرے پیچھے پیچھے آؤ۔“ عنبر نے کہا اور پھر کرسیوں کی قطاروں کے درمیان دائیں طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اُدھر ایک دروازہ تھا۔

عنبر نے ٹارچ جلا رکھی تھی، اسی لیے جدھر وہ دونوں جاتے، بالشتیے بھی اُدھر ہی ہو لیتے۔ اچانک ہال کی بتّیاں جل اُٹھیں۔ نسیم نے مُڑ کے دیکھا تو

کئی بالشتیے ہاتھوں میں ڈنڈے لیے اُن کے پیچھے آ رہے تھے۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"جلدی کرو! وہ ہم تک پہنچنے ہی والے ہیں۔"

اسی لمحے ایک بالشتیے نے ہوا میں قلابازی لگائی اور عنبر کے اوپر آ گرا۔ عنبر لڑکھڑا گیا، مگر اگلے ہی لمحے وہ پوری قوّت سے سامنے کے دروازے سے جا ٹکرایا۔ اس کی ٹکّر سے دروازہ کھُل گیا اور وہ دونوں پھُرتی سے باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے ہی اُنہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ اب وہ ایک برآمدے میں کھڑے تھے جس کے ایک سِرے پر سیڑھیاں تھیں جو اوپر جا رہی تھیں۔

"آؤ، اوپر چلیں۔" عنبر نے کہا۔ اور دونوں تیز تیز چلتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ یہ زینہ سینما کی گیلری میں جاتا تھا۔ عنبر نے ٹارچ بُجھا دی اور دونوں سُراغ رساں گیلری میں پہنچ گئے۔ اب وہ نیچے ہال میں موجود بالشتیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ وہ سات یا آٹھ تھے۔ مگر یہ کیا؟ ان کے ساتھ سینما کا چوکیدار رؤف بھی تھا!

”تم، تم بہت نکمّے ہو۔“ رؤف بالشتیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”تم سے دو لڑکے نہیں پکڑے جا سکے۔ جلدی سے اُنہیں تلاش کرو۔ ابھی وہ سینما سے باہر نہیں نکلے ہوں گے، کیوں کہ اس ایک دروازے کے سوا باقی سب دروازوں میں تالے لگے ہیں۔“ اس نے اس دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جدھر سے عنبر اور نسیم آئے تھے۔

پھر وہ دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا اور بولا۔ ”چلو، جلدی سے اُنہیں ڈھونڈو۔ میں اس دروازے پر پہرا دیتا ہوں۔“

”مارے گئے!“ نسیم نے آہستہ سے کہا۔ ”اب کیا کریں؟ کہاں جائیں؟“

”ہمارے پاس سوچنے کے لیے چند لمحے ہیں۔“ عنبر نے نسیم کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”اور یُوں بھی ہیں بالشتیوں کا زیادہ سے زیادہ وقت ضائع کرنا ہے تا کہ اس دوران میں نُصرت صدّیقی جاگ جائیں، اور پولیس کو بُلا لیں۔ اس کے بعد ہم یقیناً یہاں سے نکل سکیں گے۔

عنبر کے لہجے میں سکون تھا، لیکن نسیم کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

"اگر ایسا نہ ہوا تو؟" نسیم نے پوچھا۔

"تو ہمیں اپنی عقل پر بھروسا کرنا پڑے گا۔" عنبر نے کہا۔ "بہر حال، تم گھبراؤ نہیں۔ آؤ چھپنے کی کوئی جگہ ڈھونڈتے ہیں۔"

وہ دونوں گیلری سے نکلے اور تاریکی میں غائب ہو گئے۔

خوف ناک ڈاکا

اچانک نُصرت صدّیقی کی آنکھ کھُل گئی۔ اسے تہہ خانے میں سے کھٹ کھٹ کی آواز آئی تھی۔ اس نے عنبر اور نسیم کو آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہ پا کے بڑے کمرے میں چلی گئی۔ عنبر اور نسیم وہاں موجود نہ تھے۔ اس نے نیچے اُتر کے دیکھا۔ لیکن لڑکے کہیں بھی نظر نہ آرہے تھے اور تہہ خانے میں سے کھُدائی کی آواز برابر آرہی تھی۔

نُصرت نے سوچا کہ لڑکے آخر لڑکے ہی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بالشتیوں کو

دیکھ کے ڈر گئے ہوں اور بھاگ گئے ہوں۔ ہاں، ایسا ہی ہوا ہو گا۔

کھُدائی کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔ یہ آواز نُصرت کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس نے چچازاد بھائی اُلفت کو ٹیلی فون کر دیا کہ وہ فوراً آ کے اسے اپنے گھر لے جائے، اور صبح ہوتے ہی اس گھر کو بیچ ڈالے۔

اُدھر عنبر اور نسیم اندھیرے میں ٹٹول کے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ اس ڈر سے ٹارچ نہیں جلا رہے تھے کہ بالشتیے روشنی کی مدد سے انہیں پکڑنے میں کام یاب ہو سکتے تھے۔

اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ سامنے کوئی دروازہ ہے۔ وہ اسے کھول کے اندر چلے گئے۔ یہ سینما کا پروجیکٹر روم تھا اور اس میں سینما کی دو مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں فلم نہیں تھی کیوں کہ سینما کافی عرصے سے بند تھا۔

"آؤ، یہیں چھُپ جائیں۔" نسیم نے کہا۔

”نہیں، یہاں تو وہ لوگ ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہمیں کوئی اور محفوظ جگہ تلاش کرنا ہو گی۔ اگر ہم ان لوگوں کے ہتھّے چڑھ گئے تو ہمارا خدا ہی مالک ہے۔“

وہ دونوں پروجیکٹ روم سے باہر آئے تو عنبر کو یاد آیا کہ سینما کے ایک کنارے پر، سڑک کی طرف، گول زینہ بنا ہوا ہے۔ اگر وہ اس زینے تک پہنچ جائیں تو وہاں سے نیچے جانے کی کوئی تدبیر کی جا سکتی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ، اندازے سے، اس طرف بڑھنے لگا اور آخر کار زینے تک پہنچنے میں کام یاب ہو گیا۔ اس نے نسیم کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا تا کہ وہ اندھیرے میں ایک دُوسرے سے الگ نہ ہو جائیں۔ زینے پر پہنچ کے وہ اُوپر چڑھنے لگے۔

”یہ تو اور بھی غلط جگہ ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”اگر وہ لوگ یہاں آ گئے تو ہم بڑی آسانی سے پکڑے جائیں گے۔“

”نہیں، یہ جگہ بہتر ہے۔“ عنبر نے آگے بڑھ کے سڑک کی طرف کھلنے

والی ایک کھڑکی کھولی، نیچے جھانکا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم سڑک تک پہنچ جائیں تو خطرے سے نکل سکتے ہیں۔“

”ہاں۔“ نسیم نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ”لیکن جانتے ہو کہ سڑک یہاں سے صرف پچاس پچپن فِٹ نیچے ہے؟“

”وہ تو ہے۔“ عنبر بولا۔ ”لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارے پاس ایک سو فٹ لمبی نائیلون کی ڈوری بھی ہے۔ اس کی مدد سے تو تُم نیچے جا سکتے ہو۔“

”میں کیوں؟“ نسیم نے حیرت سے کہا۔ ”تم کیوں نہیں؟“

”اس لیے کہ تم پھُرتی سے بھاگ کر پولیس کو اطلاع دے سکتے ہو۔ ہمارے پاس بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ میں اتنا تیز نہیں بھاگ سکتا۔“

”مگر نائیلون کی ڈوری سے تو ہاتھ کٹ جائیں گے۔“ نسیم نے کہا۔

”یہ لو۔“ عنبر نے اپنی جیب سے دستانے نکال کے نسیم کو دیتے ہوئے کہا۔ ”انہیں پہن لو۔ ہم ان کی مدد سے بالشتیا تو نہ پکڑ سکے، پھر بھی یہ ہمارے

کام آ ہی گئے۔"

"اچھا، یہ تو بتاؤ، کیا ہم نے واقعی اصلی بالشتیے دیکھے ہیں؟" نسیم نے پوچھا۔

"اچھے بچے۔" عنبر بولا۔ "تُم نیچے جانے کی تیّاری کرو۔ تم نے اصلی بالشتیے نہیں دیکھے، بونے آدمی دیکھے ہیں۔"

"لیکن یہ لمبے لمبے کان، لال لال آنکھیں، چھوٹی چھوٹی ڈاڑھیاں، یہ سب کیا ہے؟" نسیم نے کہا۔ "اور یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"میں نے تمھیں بتایا تھا کہ یہ نُصرت صدّیقی کو ڈرانا چاہتے ہیں۔" عنبر نے جواب دیا۔

"ہاں!"

"یہ بات غلط ہے۔" عنبر بولا۔ "یہ خزانہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"خزانہ!" نسیم نے دستانے پہننے کے بعد نائیلون کی ڈوری کھولتے ہوئے کہا۔

"یہاں خزانہ کہاں ہے؟"

”خزانہ یہاں سے نزدیک ہی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہاں تک پہنچنے کے لیے یہ نُصرت صدّیقی کے مکان کے نیچے سُرنگ کھود رہے ہیں۔“

”خزانہ نزدیک ہی ہے؟“ نسیم نے اپنا ایک پاؤں کھڑکی پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھا نہیں!“

”نُصرت صدّیقی کے مکان کے دوسری طرف کیا ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”قومی بینک لمیٹڈ۔“ نسیم نے جواب دیا اور پھر اُچھل کر بولا۔ ”تم کہنا چاہتے ہو کہ یہ لوگ نقب لگا کے قومی بینک لوٹنا چاہتے ہیں؟“

”ہاں۔ ان کی یہی کوشش ہے۔ مگر تم اب جلدی نیچے اُترو۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔“

نسیم نے کھڑکی کے باہر دونوں پاؤں جمائے اور ہاتھوں میں نائیلون کی ڈوری تھام لی۔ پھر ڈوری پر وزن ڈال کر پوچھا۔ ”اُتروں؟ تم تیّار ہو نا؟“

”ہاں۔“ عنبر نے پوری قوّت سے ڈوری تھام رکھی تھی۔ ”اُترو۔“

نسیم سرکس میں کام کرنے والے بازی گر کی طرح نیچے اُترنے لگا۔ وہ پہلے ایک قدم نیچے دیوار پر جماتا، پھر ایک ہاتھ سے ڈوری کو نیچے سے پکڑتا، پھر دوسرا قدم اور نیچے رکھتا اور دوسرے ہاتھ سے ڈوری کو پکڑ لیتا۔

ابھی وہ بیس پچیس فٹ نیچے اُترا ہو گا کہ اسے عنبر کی چیخ سنائی دی، لیکن وہ درمیان ہی میں گھٹ کے رہ گئی۔ نسیم کانپ اٹھا۔ شاید بالشتیے عنبر کو تلاش کرنے میں کام یاب ہو گئے ہیں اور اُنھوں نے عنبر کو پکڑ لیا ہے!

اس نے زیادہ تیزی سے نیچے اُترنے کی کوشش کی، لیکن اُسی لمحے نائیلون کی ڈوری زور سے ہلی۔ نسیم نے اوپر نظر اٹھا کے دیکھا تو کھڑکی میں سے رؤف جھانک رہا تھا۔ اسی نے ڈوری تھام رکھی تھی۔

"اے لڑکے! اوپر آؤ!" اس نے حکم دیا۔

"میں نیچے جا رہا ہوں۔" نسیم نے کہا۔ "تم دیکھ نہیں رہے؟"

"میں دیکھ رہا ہوں۔" رؤف نے کہا۔ "لیکن اگر تم نے غور سے نہیں دیکھا

تو ایک دم نیچے چلے جاؤ گے۔ میرے دوسرے ہاتھ میں چاقو ہے جس سے میں رسّی کاٹ سکتا ہوں۔"

"مم۔۔۔ میں۔۔۔" نسیم نے گھبرا کر کہا۔ "میں اوپر آتا ہوں۔"

وہ زمین سے کافی اوپر تھا۔ اگر رؤف اپنی دھمکی پر عمل کرتا تو نسیم کے لیے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ وہ جان سے نہ بھی جاتا، تو بھی ہاتھ پاؤں یقیناً سلامت نہ رہ سکتے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ سے ڈوری کو تھامے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے جیب میں سے اپنا نیلا چاک نکالا اور دیوار پر ایک بڑا سا سوالیہ نشان بنانے لگا۔

"او لڑکے!" رؤف نے چلّا کے کہا۔ "کوئی چالاکی نہ کرنا۔ میں صرف تین تک گنوں گا، اور پھر ڈوری کاٹ دوں گا۔"

"میں آتا ہوں۔" نسیم نے کہا۔ "ابھی آتا ہوں۔"

"ایک۔۔۔" رؤف نے گنا۔

نسیم نے جلدی سے سوالیہ نشان پورا کیا۔ پھر آدھا چاک توڑ کے زمین پر پھینک دیا اور باقی چاک جیب میں رکھ لیا۔

"دو۔۔۔!" رؤف بولا۔ نسیم نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ رؤف کے چہرے پر مُسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اب اسے "تین" کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

جوں ہی نسیم کھڑکی کے پاس پہنچا، رؤف نے اُسے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ اندر پہنچ کے نسیم نے دیکھا کہ دو آدمی عنبر کو پکڑے کھڑے ہیں۔ نسیم کا منہ لٹک گیا۔

رؤف نے کہا۔ "لالو! مستری! ان لڑکوں کو نیچے لے چلو اور تہہ خانے میں ہاتھ پاؤں باندھ کے ڈال دو۔ اُنہوں نے ہمارا ایک گھنٹہ ضائع کر دیا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ اُنہیں سینما ہال کے پاس بنے ہوئے ایک تہہ خانے میں لے گئے۔ یہ تہہ خانہ نُصرت صدّیقی کے مکان کی طرف تھا اور خاصا بڑا تھا۔ اس میں جگہ جگہ مٹّی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

جب نسیم اور عنبر کو ذرا اور آگے لے جایا گیا تو نسیم یہ دیکھ کے حیران رہ گیا کہ چار بالشتیے ایک کونے میں بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔ اُس نے اُنہیں جھٹ پہچان لیا۔ یہ وہی چار بالشتیے تھے جو نُصرت منزل کے صحن میں آدھی رات کو قلابازیاں کھا رہے تھے۔ انہی کے پیچھے پیچھے وہ یہاں آئے تھے۔

ذرا آگے جا کر نسیم کی آنکھیں کچھ اور کھُلیں۔ سامنے والی دیوار میں ایک سُرنگ کھُدی ہوئی تھی!

اب نسیم کی سمجھ میں عنبر کی بات آ گئی۔ وہ دونوں بالشتیوں کی گُتھّی سُلجھاتے سُلجھاتے ایسے خطرناک مجرموں کے پھندے میں پھنس گئے، جو نُصرت منزل کے نیچے سُرنگ کھود کے قومی بینک لمیٹڈ میں نقب لگانا چاہتے تھے۔

"لالو!" مستری نے ہانک لگائی۔ "جلدی کرو۔ ابھی دس فٹ سرنگ اور کھودنی ہے۔ اس کے بعد میں اپنا کام کروں گا۔"

”تم نے اپنے اوزار بھی دیکھ لیے ہیں؟“ رؤف بولا۔ ”ایسا نہ ہو کہ درمیان میں کام رُک جائے!“

”ایسا نہیں ہو گا۔“ مستری نے کہا۔ ”میں نے کچّی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ قومی بینک لمیٹڈ میں ڈاکے کی خبر پرسوں اخباروں میں بڑی دھوم دھام سے چھپے گی۔“

”پرسوں کیوں؟“ نسیم نے آہستہ سے عنبر سے پوچھا۔ ”کل کیوں نہیں؟“

”کل جمعہ ہے۔ بینک بند رہے گا۔“ عنبر نے جواب دیا۔

پردہ اُٹھتا ہے

رؤف کو عنبر اور نسیم کے ہاتھ پاؤں باندھنے میں کوئی زحمت نہ ہوئی۔ اس نے لالو اور مستری کی مدد سے اُنہیں نائیلون کی اُسی ڈوری سے باندھ دیا جو عنبر بالشتیا پکڑنے کے لیے لایا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کے وہ تینوں اُسی سُرنگ کے اندر چلے گئے تھے جو نُصرت منزل کے نیچے سے ہوتی ہوئی قومی بینک لمیٹڈ تک چلی گئی تھی۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا۔" نسیم نے کہا۔ "کہ رؤف اس مہم کا کرتا دھرتا

ہے اور وہ یہی کام کرنے کے لیے چوکی دار بنا تھا۔"

"بالکل۔" عنبر نے کہا۔ مُجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ میں نے وقت پر صحیح نتیجہ نہ نکالا۔"

"صحیح نتیجہ؟"

"ہاں، ہمارے سامنے دو باتیں تھیں۔ ایک تو نُصرت منزل کے ایک طرف قومی بینک کا ہونا، دوسرے بالشتیوں کا زمین کے اندر کھُدائی کرنا۔ ان دونوں باتوں کو مِلا کے صرف ایک ہی نتیجہ نکالا جا سکتا تھا اور میں نے یہ نتیجہ نکالنے میں دیر کر دی۔"

"یہ نتیجہ نکالنا اتنا آسان کہاں تھا۔" نسیم نے اسے یاد دلایا۔ "بالشتیوں نے باقی ہر چیز کو اپنے وجود طرح افسانہ بنا دیا تھا۔ ہم بالشتیوں کی کھوج میں اتنے مصروف ہوئے کہ اور کسی طرف پُوری توجّہ ہی نہ دے سکے۔"

"اور جب اصل بات سمجھے تو دیر ہو چکی تھی۔" عنبر نے افسوس کرتے

ہوئے کہا۔ ”جس لمحے تم بالشتیوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے سینما میں داخل ہوئے تھے اور میں نے تمھیں آواز دی تھی، اسی لیے مجھے معلُوم ہو گیا تھا کہ یہ چکّر کیا ہے۔ لیکن تب دیر ہو چُکی تھی اور مجھے تمھیں بچانے کے لیے اندر آنا پڑا تھا۔“

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ رؤف آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے۔

”یہ لو، چائے پیو۔“ اس نے کپ رکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں، ہمیں نہیں چاہیے چائے وائے۔“ نسیم نے جل کر کہا۔

”تم سمجھتے ہو کہ تم بینک لُوٹ کے چلتے بنو گے اور تمھیں کوئی نہ پکڑ سکے گا؟“ عنبر نے کہا۔

”اور کیا۔“ رؤف نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

”یہ تمھاری بھُول ہے۔“ عنبر بولا۔ ”نُصرت صدّیقی جاگ چکی ہوں گی۔ وہ

جب ہمیں غائب پائیں گی تو پولیس کو اِطّلاع کریں گی اور پولیس ہمیں تلاش کرے گی۔ اور جب پولیس ہمیں تلاش کرے گی تو یہاں تک پہنچنے میں یقیناً کام یاب ہو جائے گی۔"

عنبر کو بعض موقعوں پر اچھی خاصی تقریر کرنا پڑ جاتی تھی اور وہ دوسرے کے دِل میں اُتر جانے کا فن جانتا تھا۔ لیکن رؤف پر اس کی تقریر کا بالکل اثر نہ ہوا۔ اس نے اُسی ڈھٹائی سے کہا:

"شاید تم یہ نہیں جانتے کہ نُصرت اپنے چچا زاد بھائی اُلفت کی کار میں بیٹھ کے اس کے گھر جا چکی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم لوگ ڈر کے بھاگ گئے ہو، اس لیے وہ بھی خوف زدہ ہو کے بھاگ گئی۔ بے چاری!"

عنبر کا منہ لٹک گیا۔ یہ ترکیب بھی بے کار گئی۔

"چائے پی لو۔" رؤف نے کہا۔ "اب کہ میرا کام پورا ہونے ہی والا ہے، میں تمھیں بھوکا مارنا نہیں چاہتا۔"

”تم نے بالشتیوں کے ذریعے ہمیں بے وقوف بنایا ورنہ تم کبھی اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہوتے۔“ عنبر بولا۔

”ہاں، بالشتیے تمہیں اپنے پیچھے نہ لگا لیتے تو ہمارا کام بگڑ جاتا۔“

”یا میں نیچے اُتر جاتا۔“ نسیم نے کہا۔

”یہ بینک تک سُرنگ کھودنے کا خیال تمہیں کیسے آیا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”یہ بینک اور سینما، دونوں عمارتیں میرے باپ نے بنائی تھیں اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ بینک کا اسٹرانگ روم، جس میں رقم رکھی جاتی ہے، لوہے کا نہیں ہے۔ میرے دماغ میں تبھی سے یہ منصوبہ تھا کہ ایک دِن قومی بینک لمیٹڈ کے اسٹرانگ روم تک ضرور پہنچوں گا۔ جب جاوید نے یہ سینما خریدا تو میں نے پہلے دو چوکی داروں کو ڈرا کے یہاں سے بھگا دیا اور اس کے بعد۔۔۔“

”اور اس کے بعد تم خود چوکی دار بن گئے۔“ عنبر نے کہا۔

”ہاں۔“ رؤف نے فخر سے بتایا۔

”گویا جاوید صاحب کو تمہاری حرکتوں کا بالکل علم نہیں۔“ عنبر بولا۔ ”میرا خیال تھا کہ شاید وہ بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔“

”نہیں۔“ رؤف بولا۔ ”میں نے اُسے اُلّو بنا کے اس کی نوکری کی اور پھر نُصرت کو ڈرانے کے بالشتیے بھیجے۔ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ اُس نے بالشتیوں کی بہت سی کہانیاں لکھی ہیں اور جب ان بالشتیوں کو جیتا جاگتا اپنے سامنے دیکھے گی تو ڈر کے بھاگ جائے گی۔“

”جب نُصرت نے اُلفت کو بالشتیوں کا بتایا تو اسے یہ سب کُچھ مذاق لگا اور اس نے نُصرت کی مدد کرنے کے بجائے اُلٹا اس کا مذاق اُڑایا۔“ عنبر نے کہا۔

”تم بڑے ذہین لڑکے ہو۔“ رؤف نے عنبر کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اُلفت کو بھی میں نے ہی مذاق اڑانے پر راضی کیا تھا۔ میں نے اُسے بتایا تھا کہ جاوید یہ مکان خریدنا چاہتا ہے اور اس کے لیے میں نُصرت کو

اچھّے پیسے دِلوا سکتا ہوں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ نُصرت کی ہر بات کو مذاق میں اُڑا دے اور اس سے مکان خالی کرا لے۔ اس طرح میں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔"

"لیکن اُلفت کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" نسیم نے کہا۔

رؤف بولا۔ "وہ نُصرت کا اکلوتا رشتے دار اور اس کی دولت کا وارث ہے۔" رؤف نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" عنبر نے کہا۔ "میں سمجھا تھا کہ شاید اُسے خود مکان خالی کرانے میں دل چسپی ہے۔"

"اچھا، ایک بات اور۔" نسیم بولا۔ "یہ بالشتیے کہاں سے لائے ہو؟"

"ہاہاہاہاہا!" وہ زور سے قہقہہ مار کے ہنسا۔ "چھوٹے مگّو، اِدھر آؤ۔" اُس نے ایک بالشتیے کر آواز دی۔ "اِسے ذرا بتانا کہ میں تمھیں کہاں سے لایا ہوں۔"

رؤف یہ کہہ کر سُرنگ میں چلا گیا اور بالشتیا نسیم کے پاس آ گیا۔

"کیا تم واقعی بالشتیے ہو؟" نسیم نے پوچھا۔

"ارے!" بالشتیے نے حیرت سے کہا۔ "تم ابھی تک نہیں سمجھے۔ ہم بونے ہیں، چھوٹے قد کے آدمی اور اسی شہر میں رہتے ہیں۔ بالشتیے تو صِرف کہانیوں ہیں پائے جاتے ہیں۔"

"اگر تم بونے ہو تو تمہارے یہ بڑے بڑے کان، لال لال آنکھیں، بڑے بڑے دانت، اور ڈاڑھی۔ یہ سب کیا ہے؟" نسیم نے پوچھا۔ "تمہارا حُلیہ تو بالکل اُن بالشتیوں کا سا ہے جو ہم نے کہانیوں میں پڑھا ہے۔"

"یہ حُلیہ؟" مگّو نے کہا۔ "ابھی لو۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنا دایاں کان زور سے کھینچا۔ پھر دوسرا کان بھی اُتار لیا۔ یہ پلاسٹک کے بنے ہوئے کان تھے۔ بڑے بڑے۔

اس کے بعد مگّو نے اپنی آنکھ میں انگلی ماری تو اس میں سے سُرخ رنگ کا

ایک شیشہ نِکل آیا۔ دوسری آنکھ پر سے بھی اس نے شیشہ اُتار دیا۔ ڈاڑھی بھی نقلی تھی۔

"خوب!" نسیم نے کہا۔ "تو گویا یہ سارا بہروپ تھا۔"

"اور کیا" بونے مگّو نے کہا۔

اتنے میں رؤف واپس آ گیا اور مگّو سے کہنے لگا۔ "چلو، اور اپنے ایک ساتھی کو بھی لے لو۔ ہمیں دو بونوں کی ضرورت ہے۔ مستری نے سُوراخ زیادہ بڑا نہیں کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اسے بڑا کرنے میں دِن نکل آئے گا۔ تم دونوں اُس سُوراخ میں سے اندر جا کے نوٹوں کے تھیلے باہر پہنچا دو۔"

"چلیے، جناب۔" مگّو نے بڑے ادب سے کہا اور ایک اور بونے کو آواز دی جو جھٹ اُٹھ کے رؤف کے پیچھے پیچھے سُرنگ میں داخل ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں دونوں بونے نوٹوں سے بھری ہوئی ایک ایک بوری لے آئے اور تہہ خانے میں رکھ کے واپس چلے گئے۔ اس طرح ایک گھنٹے

میں وہ کچھ سات بوریاں لے آئے۔ آخر میں اُنہوں نے سکّوں سے بھری ہوئی دو بوریاں لا کر دھڑام سے فرش پر پھینک دیں۔

نسیم نے عنبر سے کہا۔ ”سکّوں کی بوریاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”میں بتاتا ہوں۔“ رؤف نے سُرنگ میں سے آتے ہوئے کہا۔ ”جب ہمارا کام مکمل ہو جائے گا اور ہم کشتی میں پہنچ جائیں گے، تب سے دو تھیلے تمہاری زبانیں بند رکھنے کے کام آئیں گے۔ ان کے ساتھ تم ایک ہی سیکنڈ میں سمندر میں ڈوب جاؤ گے۔“ اس کی آنکھوں سے شیطانیت جھلک رہی تھی، اور وہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ ”ہاہا! ہاہاہاہا!!!“

عنبر اور نسیم بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کہاں گئے؟

عاقِب کی آنکھ صُبح سویرے ہی کھل گئی۔ اس نے جلدی جلدی ہاتھ منہ دھویا اور امّی سے کہنے لگا۔ ”میں ذرا عنبر کے ہاں جا رہا ہوں۔“

”ایسی بھی کیا جلدی ہے۔“ امّی نے کہا۔ ”ناشتا کر کے جانا۔“

”نہیں، امّی۔“ عاقِب بولا۔ ”ناشتا عنبر کے ساتھ ہی کروں گا۔“

”اچھّا، اگر بہت ہی جلدی ہے تو جا سکتے ہو۔ دروازہ بند کرتے جانا۔“

”بہتر، امّی جان۔“ عاقِب نے کہا اور جلدی سے سائیکل لے کے باہر نکل

آیا۔ وہ جلد سے جلد یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا عنبر اور نسیم نے رات کوئی بالشتیا پکڑا ہے؟ اگر نہیں پکڑا تو کیوں نہیں پکڑا؟ اس کے دماغ میں کئی سوال مچل رہے تھے اور ان سوالوں کے جواب عنبر اور نسیم ہی دے سکتے تھے۔

کریم انٹر پرائز آج بند تھا۔ عنبر کے خالُو کریم صاحب بھی دوسرے دُکان داروں کی طرح جمعے کے دِن دُکان بند رکھتے تھے۔ عاقِب نے گھنٹی بجائی تو دروازہ خالُو کریم ہی نے کھولا۔

"ارے بھئی! تم ہو، عاقِب!" اُنھوں نے حیرت سے کہا۔ "میں حیران تھا کہ جُمعے کے دِن صُبح صُبح کون آ گیا۔"

"عنبر اور نسیم واپس آ گئے ہیں؟" عاقِب نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی تو نہیں آئے۔" خالُو کریم بولے۔ "وہ کسی خاتون کے پاس گئے تھے۔ کوئی خاص کام تھا، شاید۔"

"جی ہاں۔" عاقِب کے منہ سے اچانک نکل گیا۔ "وہاں ایک بالشتیا پکڑنے گئے تھے۔"

”بالشتیا؟“ کریم خالُو نے چونک کر کہا۔ ”لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃ! یہ کیا بکواس ہے؟“

عاقِب، کو اب محسوس ہوا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے۔ لیکن اب وہ بات بدل نہ سکتا تھا۔ ”جی ہاں، دراصل چچا مسرُور کی ایک دُور کی رشتے دار نُصرت صدّیقی صاحبہ کو چند بالشتیے تنگ کر رہے تھے، اور نسیم اور عنبر اُنہی کا کھوج لگانے وہاں گئے تھے۔“

”اوہ!“ خالُو کریم جھنجھلا کر بولے۔ ”آخر تُم لوگ یہ عجیب عجیب سی حرکتیں کرنا کب ختم کرو گے؟“

”میرا مطلب یہ تھا کہ۔۔۔“ عاقِب نے زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کیوں نہ ہم نُصرت صاحبہ کو فون کر کے پتا کریں؟“

”کیا نمبر سے اُن کا؟“

خالُو نے جلدی جلدی نمبر ملایا، مگر دوسری طرف کسی نے ریسیور نہیں اُٹھایا۔ اُنہوں نے دوبارہ نمبر مِلایا، تیسری بار مِلایا۔۔۔ گھنٹی بج رہی تھی

لیکن ریسیور کوئی نہیں اُٹھا رہا تھا!

"لگتا وہاں کچھ گڑبڑ ہے۔" خالُو نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ بالشتیوں کو پکڑتے پکڑتے وہ خود پکڑے گئے ہوں۔"

"خالُو جان۔" عاقِب نے کہا۔ "میں نُصرت صاحبہ کے گھر جا رہا ہوں۔"

"تمہیں نُصرت صاحبہ کا گھر معلوم ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تو چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ہم ٹیکسی لے لیتے ہیں۔"

چند منٹ بعد خالُو اور عاقِب ٹیکسی میں بیٹھے نُصرت منزل کی طرف جا رہے تھے۔ نُصرت منزل کے دروازے پر جا کے اُنھوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ایک بار، دو بار، تین بار، مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ دروازہ کھول کے اندر چلے گئے۔ تمام کمرے بند تھے اور ہر طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔

عاقِب نے خالُو کی طرف دیکھا اور اُنھوں نے عاقِب کی طرف۔۔۔ دونوں

کے چہروں پر پریشانی تھی۔

”اب کیا کِیا جائے؟“ خالُو نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

”کیوں نہ لان پر ایک نظر ڈال لیں۔“ عاقِب نے کہا۔

اُنہوں نے لان میں جا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک درخت کی شاخ میں ایک کیمرا الٹکا ہوا نظر آیا۔

”عنبر کا کیمرا!“ عاقِب چلّایا۔ ”اس نے ضرور کوئی تصویر اُتاری ہو گی۔“

خالُو کریم نے کیمرا ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو پولورائڈ کیمرا ہے۔ اس کے کسی دوست کا ہو گا۔ آؤ، دیکھیں اس میں کیا تصویر اتاری ہے اُس نے۔“

اُنہوں نے تصویر باہر نکالنے کے لیے بٹن دبایا اور جب تصویر باہر آئی تو وہ اُسے دیکھ کے حیران رہ گئے! یہ دو خوفناک بالشتیوں کی تصویر تھی، بڑے بڑے کان اور لال لال آنکھیں۔ دونوں بالشتیے ناچ رہے تھے۔

عاقِب بھی تصویر دیکھ کے بھونچکارہ گیا۔

اس کا مطلب ہے کہ اُنھوں نے بالشتیوں کو دیکھ لیا۔ تب تو اُنھوں نے ایک آدھ بالشتیے کو پکڑنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔"

"ہاں، کی ہوگی۔" خالُو نے عاقِب کا فقرہ دہرایا۔ "مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اُنہیں کہاں ڈھونڈیں؟ اور اگر وہ کسی خطرے میں گِھر گئے ہیں تو ہم اُن کی کس طرح مدد کریں؟"

ہمیں نُصرت منزل کے پاس ہی اُنہیں تلاش کرنا چاہیے۔" عاقِب نے کہا۔ "وہ یقیناً آس پاس ہی ہوں گے۔"

"تو پھر جلدی کرو۔" خالُو نے کہا۔

"نُصرت منزل کے ایک جانب تو قومی بینک لمیٹڈ کی عمارت ہے اور دوسری جانب پرانا سینما گھر ہے۔

عاقِب بولا۔ "بینک آج بند ہے، البتّہ سینما کے چوکی دار رؤف سے کل ہم

مِل چکے ہیں۔ اس سے پوچھتے ہیں کہ اُس نے عنبر اور نسیم کو تو نہیں دیکھا۔"

عاقِب سینما کے باہر پہنچا تو اس کو سڑک پر نیلا چاک پڑا ہوا مل گیا اور جلد ہی اُسے دیوار بیچوں بیچ بنا ہوا نیلا سوالیہ نشان بھی نظر آ گیا۔

"نسیم اور عنبر یہیں ہیں۔" عاقِب نے خالُو کو بتایا۔ "وہ رہا نسیم کا خاص نشان۔ آیئے، اُنہیں اندر تلاش کریں۔"

لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ ہو سکتا ہے رؤف اس وقت ناشتا کرنے بازار گیا ہو۔ یہ سوچ کے عاقِب آگے بڑھ گیا۔ خالُو اس کے ساتھ تھے۔ وہ سینما ہال کے پیچھے گئے تو کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور ساتھ ہی ہلکی سی آواز آئی۔ "بس، اب چار تھیلے اور رہ گئے ہیں۔"

"ذرا جلدی کرو۔" یہ آواز رؤف کی تھی۔ "ہمیں پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ دیکھتے نہیں سُورج نکل آیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" دوسری آواز نے کہا۔ "آج جمعہ ہے، اور جُمعے کو لوگ اتنی صُبح گھر سے باہر نہیں نکلتے۔"

"پھر بھی جلدی کرو۔" رؤف نے کہا۔ "اور تھیلوں کے ساتھ ان دونوں چالاک مگر بے وقوف لڑکوں کو بھی ایک ایک بوری میں بند کر کے ویگن میں ڈال دو۔"

"اوہ!" خالُو کریم نے غصّے سے کہا۔ "یہ، ہپ!"

"آپ غصّے میں نہ آئیں۔" عاقِب ان کے ہونٹوں پر سے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا۔ "ہمیں جلدی سے باہر نکل کر ٹیکسی پکڑنا ہے۔"

"تم باہر جا کے ٹیکسی دیکھو، میں آس پاس نظر دوڑاتا ہوں۔ شاید کوئی سپاہی مل جائے۔ مجھے تو کوئی سنگین معاملہ معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں، تھیلے اور دو چالاک مگر بے وقوف لڑکے۔" عاقِب نے کہا۔ "خالُو جان، یہ یقیناً عنبر اور نسیم ہی ہیں۔ رؤف پر مُجھے کل ہی شُبہ تھا کہ وہ کوئی

اچھا آدمی نہیں۔"

خالُو تیز تیز چلتے ہوئے چوک کی طرف چلے گئے اور عاقِب ٹیکسی کے لیے سڑک پر نظر دوڑانے لگا۔ جلد ہی ایک ٹیکسی اُسے نظر آگئی لیکن ابھی اس نے ٹیکسی والے کو رُکنے کا اشارہ کیا ہی تھا کہ سینما کے صحن میں سے ایک سبز رنگ کی ویگن نکلی، جس میں کئی تھیلے پڑے ہوئے تھے، مگر دو تھیلے ذرا زیادہ بڑے تھے اور پُر اسرار طریقے سے ہل رہے تھے!

عاقِب نے بے تابی سے چوک کی طرف دیکھا۔ خالُو نظر نہیں آ رہے تھے۔ "اوہ!" اس نے جھنجھلا کے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "جلدی سے چوک کی طرف چلو۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر تبدیل کیا اور جب عاقِب اندر بیٹھ گیا تو اس نے پوچھا۔ "آپ کو جانا کہاں ہے؟"

"پہلے چوک جانا ہے، وہاں سے خالُو جان کو لے کے واپس اِدھر آنا ہے اور اس سبز ویگن کے پیچھے جانا ہے۔"

”بہتر۔“ ڈرائیور نے کہا۔

عاقِب نے کہا۔ ”ویگن ہم سے آگے نہیں نکلنی چاہیے۔ ہم جہاں جا رہے ہیں، وہاں کا پتا میں نہیں جانتا۔ میرے وہ دو دوست جانتے ہیں جو ویگن میں بیٹھے ہوئے ہیں۔“

”آپ فکر نہ کریں۔“ ڈرائیور نے کہا اور ٹیکسی موڑ کاٹنے لگی۔ چوک میں سے خالُو جان کو لے کے ٹیکسی واپس سینما کی طرف مُڑی۔ سبز ویگن دور ہوتی جا رہی تھی، لیکن ٹیکسی ڈرائیور نے اسے نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

”اب کیا ہو گا؟ مُجھے پولیس کا کوئی سپاہی نہیں مِلا۔“ خالُو کریم نے کہا۔ ”آج جُمعہ ہے اور وقت بھی صُبح ہے۔ کوئی دُکان بھی کھلی ہوئی نہیں ہے، جہاں تھانے فون کر سکتے۔“

”فی الحال تو ہم اس سبز ویگن کا پیچھا ہی کر سکتے ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اور اس کے کہیں رُکنے تک یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔“

”سبز ویگن کا پیچھا؟“ خالُو کریم نے پوچھا۔

”جی ہاں، اسی ویگن میں تو وہ لوگ کہیں جا رہے ہیں، اور اسی میں عنبر اور نسیم بھی موجود ہیں۔“

”پھر تو ہمیں کسی قیمت پر اِسے آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔“

”جی ہاں۔“ عاقِب بولا۔ ”میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے۔“

ٹیکسی سبز ویگن کے پیچھے دوڑ رہی تھی!

ٹھا!

عنبر اور نسیم تھیلوں میں بند ویگن کے پچھلے حصّے میں پڑے تھے اور کافی بے آرامی محسوس کر رہے تھے۔ لیکن فی الحال وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک تو اُن کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے، دوسرے اُن کے مُنہ پر ٹیپ لگی ہوئی تھی، اور تیسرے وہ الگ الگ تھیلوں میں بند تھے۔ تھوڑی دیر تو دونوں خاموش رہے، لیکن پھر عنبر نے اپنے ہونٹ تھیلے سے اس طرح لگا لیے کہ ویگن کے ہر جھٹکے کے ساتھ اس کے مُنہ پر چپکی ہوئی ٹیپ تھیلے سے رگڑ کھاتی۔ آخر کچھ دیر بعد اس کی ترکیب کام یاب ہو گئی اور ٹیپ کا

سِرا اُکھڑ گیا۔ اب اس اُکھڑے ہوئے سِرے کو تھیلے سے ہونٹوں سے الگ کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔

"نسیم!" عنبر نے کہا۔ "تم بھی اپنے ہونٹوں سے ٹیپ اُتارنے کی کوشش کرو۔"

"قُوں۔۔۔ قُوں۔۔۔ قُوں۔۔۔ قُوں" نسیم کی آواز آئی، جس کا مطلب تھا، کس طرح؟

عنبر نے اُسے ترکیب بتادی اور تھوڑی سی محنت کے بعد نسیم بھی بولنے کے قابل ہو گیا۔

"تمہارے خیال میں یہ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟" نسیم نے پوچھا۔

"تم شاید بھُول گئے۔" عنبر بولا۔ "رؤف نے کشتی کا ذکر کیا تھا۔"

"اوہ!" نسیم نے کہا "یاد آ گیا۔ سکوں کے تھیلے کے ساتھ نہیں ڈبونے کا بھی

ذِکر کیا تھا اس نے۔“

”ہاں، حالانکہ پہلے وہ بڑی میٹھی میٹھی باتیں کر رہا تھا، لیکن جب اس کا کام پورا ہو گیا تو اس نے شیطانوں کی طرح قہقہہ لگایا اور کہا۔۔۔“

”اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ نسیم نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

عنبر نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولا۔ ”ایک جادُوگر تھا۔ لوگ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اور پیپے میں بند کر کے سمندر میں ڈال دیا کرتے تھے، لیکن وہ زندہ سلامت باہر نکل آیا کرتا تھا۔“

”لیکن ہم تو جادُوگر نہیں ہیں۔“ نسیم نے کہا۔

”ہاں، یہ بات تو ہے۔“ عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

”میں سوچتا ہوں کہ ہم نے آخر یہ سُراغ رسانی کا کام شروع ہی کیوں کیا۔“ نسیم نے جھنجھلا کر کہا۔

”ہمیں اس سے دل چسپی ہے نا، اس لیے۔“

”کاش ہم اس کا انجام بھی سوچ لیتے۔“ نسیم بولا۔

”حوصلہ رکھو۔“ عنبر نے کہا۔ ”کوئی نہ کوئی صُورت نکل ہی آئے گی۔“

”حوصلہ رکھوں۔“ نسیم نے روہانسا سا ہو کر کہا۔ ”بینک کو لوٹنے والے تو آزاد پھِر رہے ہیں اور اُنہیں پکڑنے والے قید میں پڑے ہیں۔“

ویگن کے پیچھے پیچھے ٹیکسی چل رہی تھی اور خالُو کریم عاقِب سے کہہ رہے تھے۔ ”اگر تُم کہو تو ویگن کے آگے ٹیکسی روک کے ان لوگوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لیں۔ آخر ہم کب تک ان کا پیچھا کرتے رہیں گے؟“

”نہیں خالُو جان۔“ عاقِب نے کہا۔ ”میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔ اس طرح حالات سُدھرنے کے بجائے زیادہ خراب ہو سکتے ہیں۔“

”تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”آخر کہیں نہ کہیں جا کے تو یہ

ویگن رُکے گی نا۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" خالُو نے کہا۔ "ظاہر ہے، کہیں تو رُکے گی ہی۔ تبھی ہم اپنی طاقت استعمال کریں گے اور عنبر اور نسیم کو چھڑائیں گے۔"

"ویگن کی رفتار کچھ زیادہ ہو گئی تھی کیوں کہ وہ اب شاداب نگر کے علاقے سے نکل رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر ہو لی۔

"لگتا ہے یہ لوگ سمندر کے راستے فرار ہو رہے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔
"پھر تو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" خالُو بولے۔

"یہاں سے سمندر تک جانے میں آدھا گھنٹہ لگے گا۔ ڈرائیور! ذرا ٹیکسی تیز چلاؤ۔"

"ٹھا!"

اور اس آواز کے ساتھ ہی عاقِب اور خالُو کریم چونک پڑے اور ٹیکسی

ہچکولے کھانے لگی۔ ڈرائیور نے ٹیکسی سڑک کے کنارے کر کے بریک لگا دیے۔ عاقِب کا خیال تھا کہ ویگن والوں کو اُن کے پیچھا کرنے کا علم ہو گیا ہے، اس لیے اُنہوں نے گولی چلا کر ٹیکسی کا پہیّا پنکچر کر دیا ہے، تا کہ وہ اُن کا پیچھا نہ کر سکیں۔

ڈرائیور نے نیچے اُتر کے کار کا اگلا پہیّا دیکھنے کے بعد اعلان کیا۔ "ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔ آپ کوئی دوسری ٹیکسی لے لیں۔"

عاقِب اور خالُو کریم نیچے اُترے اور ڈرائیور کو کرایہ دے کر کسی اور ٹیکسی کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ بے بسی سے دُور جاتی ہوئی سبز ویگن کو دیکھ رہے تھے جس میں عنبر اور نسیم تھیلوں میں بند پڑے تھے!

یہ کیا ہوا؟

ٹیکسی کا ڈرائیور جیک نِکال کے ٹائر بدلنے لگا، اور خالُو کریم اور عاقِب سڑک کے کنارے کھڑے بے بسی سے ہاتھ ملنے لگے۔ جُمعے کا دِن اور صُبح کا وقت تھا، اس لیے سڑک پر اتنی زیادہ ٹریفک نہ تھی۔ دوسری ٹیکسی ملنے کا امکان کم ہی تھا۔

"دُوسری ٹیکسی ملنا مشکل ہے، بھائی جان۔" خالُو نے ڈرائیور سے کہا۔ "اگر تم ذرا جلدی سے ٹائر بدل لو، تو ہم اپنے بھانجے اور اس کے دوست کی جان

بچا سکتے ہیں۔ انہیں چند بد معاش اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے حیرت سے خالُو کی طرف دیکھا اور بولا۔ "لیکن یہ صاحب زادے تو کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔"

"اگر میں آپ کو صحیح بات بتا دیتا تو آپ ہمیں ٹیکسی میں بٹھانے سے اِنکار کر دیتے۔" عاقِب نے کہا۔

"تم نے ٹھیک سوچا تھا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔ "عام طور پر لوگ پرائے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑایا کرتے، لیکن انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہے آخر۔ میں ابھی ٹائر بدلتا ہوں۔"

آخر ٹیکسی ڈرائیور نے پہیّا بدلا، عاقِب اور خالُو کریم کو بٹھایا اور پوری رفتار سے ٹیکسی چلا دی۔ ٹریفک زیادہ نہ تھی، اس لیے زیادہ تیز چلنے میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ ڈرائیور کی پوری کوشش تھی کہ اسے سبز ویگن جلد از جلد مل جائے۔

”ویگن کا نمبر کیا ہے؟“ ڈرائیور نے عاقِب سے پوچھا۔

”یہ تو میں دیکھنا بھول ہی گیا۔“ عاقِب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”اُف کتنی بڑی غلطی کی ہے میں نے۔“

”خیر، تم سیدھے چلتے رہو۔ وہ سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہے تھے۔ بندر گاہ تک پہنچتے پہنچتے ہم اُنہیں پکڑ ہی لیں گے۔“

”ہوں!“ ڈرائیور نے کہا اور پوری توجّہ سے ٹیکسی چلانے لگا۔

عاقِب کی حالت اس وقت دیکھنے والی تھی۔ سُراغ رساں نمبر تین ہونے کی حیثیت سے اس وقت سُراغ رساں نمبر ایک اور سُراغ رساں نمبر دو کی جانیں بچانے کی ذمّے داری اسی پر عائد ہوتی تھی۔ عنبر اور نسیم بالشتیوں کی گتھّی سلجھاتے سلجھاتے خود گتھّی بن گئے تھے اور سبز ویگن کے اندر تھیلوں میں بند پڑے تھے۔

عاقِب سوچ رہا تھا کہ کسی طرح سبز ویگن اُنہیں نظر آ جائے تا کہ وہ اس کا

تعاقب جاری رکھ سکیں اور ان دونوں کو چھڑانے کی کوشش کریں۔

اب وہ شاداب نگر سے باہر نکل آئے تھے۔ سمندر کو جانے والی سڑک پر دائیں بائیں، دو فِلم اسٹوڈیو تھے۔ اس وقت وہ ان اسٹوڈیو کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اچانک اُنہوں نے دو بونوں کو خوشی سے ناچتے ہوئے دیکھا۔ وہ سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف جا رہے تھے، اور اُن میں سے ایک ٹیکسی کے نیچے آتے آتے بال بال بچا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غصّے سے کہا۔ ”یہ فلموں والے بھی طرح طرح کے روگ پالتے ہیں۔ اب آج کل ایک فلم بنا رہے ہیں جس میں کام کرنے کے لیے اُنہوں نے سارے ملک کے بونے جمع کیے ہیں۔“

خالُو کریم نے پوچھا۔ ”فلم کا نام کیا ہے؟“

”نام تو میں بھول گیا۔“ ڈرائیور نے کہا۔ ”کچھ عجیب ہی سا نام ہے۔“

”خالُو جان، کیا اس دنیا میں کبھی کسی نے بالشتیے دیکھے ہیں؟“ عاقِب نے خالُو کریم سے پوچھا۔

"بالشتیے؟" خالُو نے حیرت سے کہا۔ "لیکن یہ عجیب و غریب سوال اس وقت کیوں سُوجھا؟"

"ان بونوں کو دیکھ کے۔" عاقِب نے کہا۔ "اگر دنیا میں بالشتیے نہیں ہوتے تو بونے بالشتیے بن سکتے ہیں۔"

"ہاں، لیکن اس بات کی اس وقت کیا تُک ہے؟"

"دراصل عنبر، نسیم اور میں آج کل بالشتیوں کے چکّر میں پڑے ہوئے ہیں۔" عاقِب نے جواب دیا۔

"اور اس کے نتیجے میں عنبر اور نسیم تھیلوں میں بند کر کے اس ویگن میں سمندر کی طرف لے جائے جا رہے ہیں۔ اس ویگن میں، جس کا نمبر بھی تمھیں یا مُجھے معلوم نہیں اور جو ہماری نظروں سے ابھی تک اوجھل۔۔۔۔۔"

خالُو کریم کا فقرہ درمیان ہی میں رہ گیا۔ عاقِب نے اُنھیں زور سے جھنجھوڑا

تھا اور زور سے کہا تھا، وہ۔۔۔ وہ رہی۔۔۔ سبز ویگن!"

سبز ویگن جس میں عنبر اور نسیم سوار تھے، اب اُنہیں نظر آنے لگی تھی۔ لگتا تھا کہ کسی وجہ سے راستے میں ویگن کچھ دیر کے لیے رُک گئی ہو گی، ورنہ اتنی جلدی اس کا پکڑا جانا بہت مشکل تھا۔

"لیجیے صاحب۔" ڈرائیور نے کہا۔ "ویگن تو مل گئی۔"

"ہاں بھئی، تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اب تم، اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہو۔"

"آپ کہیں تو میں پیچھے سے ٹکّر ماروں؟" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"نہیں بھائی۔" خالو کریم بولے۔ "ایسا کرنا خطرناک ہو گا۔ آخر یہ کہیں نہ کہیں تو رُکے گی۔"

"بہتر جناب۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

عاقِب نے اپنی آنکھیں ملیں اور ویگن میں پڑے ہوئے ان دو تھیلوں کو غور سے دیکھا جن میں اُس کے خیال کے مطابق عنبر اور نسیم بند تھے۔

لیکن اسے محسوس ہوا کہ یہ اس کا وہم ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ تھیلے ذرا موٹے ہو گئے ہیں۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ عنبر اور نسیم ویگن میں تھیلوں کے اندر ایک دم موٹے کیسے ہو سکتے تھے! اُس نے اس عجیب و غریب خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

آگے آگے ویگن اور پیچھے پیچھے ٹیکسی چلتی رہی۔ اب بندر گاہ نزدیک آ گئی تھی۔ ویگن بندر گاہ میں داخل ہو گئی۔ یہاں سامان لانے اور اُتارنے والی کمپنیوں کے دفاتر تھے۔ پاس ہی ایک پولیس چوکی بھی تھی۔ دفاتر جُمعے کے باعث زیادہ تر بند تھے۔

"کیوں نہ ہم پولیس کو خبر کر دیں؟" عاقِب نے کہا۔

"ہاں، یہ درست ہے۔" خالُو بولے۔ مگر اگلے ہی لمحے عاقِب اور خالُو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سبز ویگن تیز تیز چلتی ہوئی گودی کی طرف جانے کے بجائے پولیس چوکی کے گیٹ میں داخل ہو گئی ہے!

"یہ حقیقت ہے یا کوئی خواب؟" خالُو کریم نے کہا۔ "اگر وہ لوگ عنبر اور

نسیم کو تھیلوں میں بند کر کے کہیں لے جا رہے ہیں تو پولیس چوکی میں کیا لینے آئے ہیں؟"

"یہ بات میں بھی نہیں سمجھ سکا۔" عاقِب نے کہا۔ "لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جب ویگن سینما سے باہر نکلی تھی تو اس میں، دو تھیلوں کے اندر، عنبر اور نسیم ضرور بند تھے۔"

"مگر آخر۔۔۔" خالُو کہنا شروع کیا ہی تھا کہ ویگن کا اگلا دروازہ کھلا اور اس میں سے عنبر اور نسیم باہر نکلے! خالُو اور عاقِب کے منہ حیرت سے کھُلے کے کھُلے رہ گئے۔

"عنبر! نسیم!" عاقِب چلّایا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تُم مل گئے۔"

خالُو نے کہا۔ "ہم تو سمجھے تھے کہ تم تھیلوں میں بند ہو۔"

"آپ سچ سمجھے تھے۔" عنبر نے جواب دیا۔ "جب ہم نے یہ سفر شروع کیا تھا تو ہم تھیلوں ہی میں بند تھے۔"

"مگر۔۔۔۔؟" عاقِب بولا۔

"مگر راستے میں ہم نے رؤف، لالو اور مستری کو تھیلوں میں بند کر دیا اور خود ڈرائیور کی سیٹ سنبھال کے ویگن چلانے لگے۔"

پولیس انسپکٹر آوازیں سُن کر باہر آ گیا تھا۔ عنبر نے مُسکراتے ہوئے اُسے سلام کیا اور اپنا تعارفی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اس ویگن میں قومی بینک لمیٹڈ سے لوٹی ہوئی دولت، اور تین مجرم موجود ہیں۔ آپ ان کو گرفتار کر لیجیے۔ ہم نے اپنا کیس مکمل کر لیا ہے۔"

"گرفتار کر لو اِن بدمعاشوں کو۔" انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا، مگر جب اُنھوں نے ڈرائیور کے کیبن میں دیکھا تو وہاں صرف ایک ہی آدمی نظر آیا، جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔

"اس کا نام ہے لالو۔" عنبر نے انسپکٹر کو بتایا باقی دو مُجرم نوٹوں کے تھیلوں کے اُوپر اُن تھیلوں میں بند ہیں جن میں اُنھوں نے پہلے ہمیں بند کیا تھا۔"

”اُن کے نام؟“

”اُن کے نام ہیں رؤف اور مستری۔۔۔ کم از کم ہم تو یہی جانتے ہیں۔“ نسیم نے کہا۔

”دیکھا، خالُو جان!“ عاقِب نے کہا۔ ”میرا خیال صحیح نکلا نا؟“

”ہاں بھئی، ہاں۔“

”تُم کب سے ہمارا پیچھا کر رہے تھے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”سینما کے باہر سے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”کیا سُراغ رساں نمبر ایک اور دو اِتنا بھی نہیں جان سکے کہ ہم وہیں سے اُن کا پیچھا کر رہے تھے؟“

”ہم یہ کیسے جان سکتے تھے؟“ نسیم نے کہا۔ ”ہم تو تھیلوں میں بند تھے۔“

”اور باہر نکلنے کی ترکیب سوچنے میں مصروف تھے۔“ عنبر نے بتایا۔

مُجرم گرفتار کر لیے گئے۔ نوٹوں اور سکّوں کے تھیلے پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ عنبر اور نسیم نے تمام باتیں پولیس کو بتا دیں اور پھر تینوں

سُراغ رساں خالُو کریم کے ساتھ اُسی ٹیکسی میں واپس شاداب نگر روانہ ہو گئے۔

"تُم تھیلوں میں سے نکلے کیسے؟" عاقِب نے پوچھا۔

"یہ سُراغ رساں نمبر ایک کا کمال ہے۔" نسیم نے تعریفی نظروں سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سُراغ رساں نمبر ایک!" عاقِب اور نسیم نے نعرہ لگایا اور ساتھ ہی جواب دیا "زندہ باد!"

خالُو نے مُسکرا کے اُن کی طرف دیکھا اور پھر بولے۔ "بس، جو کرنا ہے، یہیں کر لو۔ گھر میں تمہاری خالہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں، ڈنڈا ہاتھ میں لیے۔"

سب ہنسنے لگے۔

سونے کی پیٹی

عنبر، نسیم، عاقِب اور خالُو جان دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے واپس گھر پہنچے تو خالہ جان ڈنڈا لیے نہیں کھڑی تھیں، وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی طارق جوّاد کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ جب خالہ کے سوالوں کا جواب عنبر اور خالُو دے چکے تو عنبر نے طارق سے پوچھا۔ ”پیٹی مل گئی۔“

”نہیں، بھائی۔“ طارق نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”ایک تو وہ پیٹی نہیں ملی، دوسرے ابّو اپنے آپ پر ناراض ہو رہے ہیں، کہ آخر اُنہیں لڑکوں کی

باتوں میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیا پولیس ابھی تک کوئی سُراغ نہیں لگا سکی؟" نسیم نے پوچھا۔

"نہیں۔" طارق نے جواب دیا۔

"اب بینک کے بعد کسی اور چکّر میں پھنس رہے ہو کیا؟" خالہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کوئی خاص چکّر نہیں ہے، خالہ جان۔" عنبر نے کہا۔ "طارق، اگر پولیس بھی پیٹی کا سُراغ نہیں لگا سکی تو۔۔۔۔"

"تو تمہارے ابّو کیوں ناراض ہیں؟" نسیم نے فقرہ مکمل کر دیا۔

"خالہ جان، اگر اس وقت چائے مل جائے تو مزہ آ جائے۔" عنبر نے کہا۔

"ابھی بنا کے لاتی ہوں۔" خالہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ پیٹی ویٹی کا کیا چکّر ہے؟"

"کوئی چکّر نہیں۔" نسیم بولا۔ "بس ایک شخص کہیں رکھ کے بھول گیا ہے۔

وہ نہیں مل رہی۔"

"اس پیٹی میں تھا کیا؟" خالہ نے جاتے جاتے سوال کیا۔ "بم تو نہیں تھے؟"

"اوہ خالہ جان۔" عنبر کو ہنسی آ گئی۔ "آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ وہ صندوق نہیں ہے، کمر میں باندھنے والی پیٹی ہے، بیلٹ۔"

"اچھا، اچھا، ٹھیک ہے۔ میں سمجھی کہ تم اُس جادُو کے صندوق کی طرح کا کوئی روگ پال رہے ہو۔" خالہ یہ کہتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔ ان کا اِشارہ گنجی کھوپڑی والے اس بکس کی طرف تھا جس کی گتھّی تین ننھے سُراغ رسانوں نے کچھ دِن پہلے سلجھائی تھی۔ اس گنجی کھوپڑی سے خالہ جان کو سخت چڑِ تھی کیوں کہ اس نے اُنہیں "ہُونہہ" کہہ دیا تھا۔

چائے پر ننھے سُراغ رسانوں کے تازہ کارنامے پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد طارق اجازت لے کر چلا گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا۔ "میں کل پھر آؤں گا۔ ابّو بے شک تم لوگوں کو اہم نہیں سمجھتے، لیکن نہ جانے کیوں مجھے

یقین ہے کہ اس پیٹی کا سُراغ لگانے میں کام یاب ہو جاؤ گے۔"

اگلے دِن کے اخبار قومی بینک پر ڈاکے کی تفصیل سے بھرے پڑے تھے۔ اصل مجرم تو کل ہی گرفتار ہو چکے تھے، البتّہ وہ بونے ابھی نہیں پکڑے جا سکے تھے جنہوں نے بالشتیوں کا روپ دھارا تھا۔ پولیس نے شاداب نگر کے باہر، اسٹوڈیو کے پاس ہوٹلوں پر چھاپے مارے جہاں بونے ایک فلم میں کام کرنے کے سلسلے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن اُنہوں نے اپنے بارے میں لوگوں سے گواہی دلوا دی کہ یہ سب گزشتہ رات فلم کی شوٹنگ میں مصروف تھے اور یہ بھی بتایا کہ ان میں سے کسی کا نام مگّو نہیں ہے۔

عنبر، نسیم اور عاقِب خفیہ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے اور کل کے واقعات پر تبصرہ بھی کر رہے تھے۔

"تو گویا سے بونے ہی بالشتیوں کا بھیس بدل کر نُصرت صاحبہ کے ہاں جایا کرتے تھے۔" عاقِب نے کہا۔

”ہاں۔“ عنبر بولا۔ ”اور اُلفت نے رؤف سے کہہ رکھا تھا کہ اگر نُصرت صدّیقی بالشتیے نظر آنے کی شکایت کریں تو اُلفت اُسے مذاق میں ٹال دے۔“

”لیکن اُلفت کو اس معاملے سے کیا دلچسپی تھی؟“ عاقِب نے پوچھا۔

نسیم بولا۔ ”وہ نُصرت منزل کو فروخت کروانا چاہتا تھا۔ اسے روپوں کی ضرورت تھی، اور وہ جانتا تھا کہ نُصرت منزل بِکنے کے بعد نُصرت صدّیقی اس کے ہاں رہیں گی اور وہ ان سے روپیہ بٹور سکے گا۔ یُوں بھی نُصرت صدّیقی کے بعد اُس کی ساری جائداد کا وارث اُلفت ہی ہے۔“

”بھئی، اور جو کچھ ہوا سو ہوا، یہ بالشتیوں کی خوب رہی۔“ عاقِب نے قہقہہ مار کے کہا۔ ”ایک دفعہ کو تو ہم بھی چکرا گئے۔

”اوہ۔۔۔ ہو!“ اچانک عنبر کو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ ”نسیم! تمہیں یاد ہے کہ جس بونے کو رؤف مگّو کہہ رہا تھا، اس کے ایک دانت پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا؟“

”ہاں۔ اس کا ایک دانت سونے کا تھا۔“ نسیم نے کہا۔ ”اور یہ بات ہم کل پولیس کو بتانا بھول گئے۔ مگر خیر، اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے سونے کے دانت ہوتے ہیں، جس دِن ہم باقر علی میوزیم گئے تھے اور وہاں ایک بچّے سے میری ٹکّر ہو گئی تھی، اس کا بھی ایک دانت سونے کا تھا۔“

”ہاں ہاں، مجھے یاد آیا۔“ عاقِب نے کہا۔

”افّوہ!“ عنبر بولا۔ ”تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟“ وہ جھنجھلا رہا تھا۔

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اِس کا ذکر کیا تھا۔“ نسیم نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ البتّہ تُم اس وقت کسی اور چیز کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔۔۔ شاید گُنبدوں کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔“

”یوں لگتا ہے کہ میں نے سونے کی پیٹی کی گُمشدگی کا مسئلہ حل کر لیا ہے۔“ عنبر نے کہا۔

اُسی لمحے طارق جوّاد کے آنے کی اِطّلاع ملی۔ نسیم اسے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں لے آیا۔ ابھی وہ بیٹھا بھی تھا کہ عنبر نے اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کے بڑے جوش سے کہا۔ "طارق، یہ بتاؤ، تمہارے ابّو میرے ساتھ تعاون کریں گے؟"

"تعاون؟" طارق نے شاید یہ لفظ پہلی بار سُنا تھا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

"میری مدد کریں گے؟ عنبر بولا۔ "مُجھے یوں لگتا ہے کہ میں نے سونے کی پیٹی کا سُراغ لگالیا ہے۔"

"اوہ!" طارق خوشی سے بولا۔ "پھر تو وہ ضرور تعاون کریں گے، کیوں کہ پولیس ابھی تک اس مسئلے کو حل نہیں کر سکی۔"

"تو چلو، ہم باہر نکل کے ٹیکسی پکڑیں۔ میں جلد از جلد جواد صاحب کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں۔" عنبر نے کہا۔

"ٹیکسی کی کوئی ضرورت نہیں۔" طارق بولا۔ "میں ابّو کی جیپ میں یہاں

آیاہوں۔ باہر ڈرائیور میرا انتظار کر رہا ہے۔"

"چلو!" عنبر نے کہا۔ "نسیم اور عاقِب، تُم دونوں ہیڈ کوارٹر میں میرے پیغام کا انتظار کرو گے۔"

اُن کے جاتے ہی نسیم نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بعض دفعہ تو ہمارا دوست عنبر زیادہ ہی پُراسرار ہو جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" عاقِب بے پروائی سے بولا۔ "اس وقت یہی بات ضروری ہو گی کہ وہ پُراسرار بنا رہے۔ خیر، ہمیں اس کے پیغام کا انتظار کرنا چاہیے۔"

عنبر کی یہ پُراسراریت نسیم اور عاقِب کی نظر میں اس وقت اور بڑھ گئی جب اُس نے کوئی ایک گھنٹے بعد اُن سے فون پر کہا۔ "خالہ سے کہہ دو کہ میں دوپہر کا کھانا طارق کے ساتھ کھا رہا ہوں۔ اور تم لوگ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کے چار پانچ بار خُفیہ ہیڈ کوارٹر میں اندر جاؤ اور باہر آؤ، اور اس بات کا دھیان رکھو کہ میری بات پر پورا عمل ہو۔"

نسیم اور عاقِب کو اس بات کا کوئی بھی تو سر پیر نظر نہ آرہا تھا لیکن اس پر عمل کیے بنا چارہ بھی نہ تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں اٹھے اور خالہ جان کی طرف چل دیے۔

عنبر کوئی چار بجے کے قریب ایک ٹیکسی میں واپس آیا۔ طارق اس کے ساتھ تھا۔

"میری پیاری خالہ جان۔" اس نے آتے ہی خالہ سے کہا۔

"ہاں، میرے پیارے بھانجے جان۔ چائے چاہیے؟" خالہ نے پیار سے کہا۔

"جی ہاں، آپ تو بہت سمجھ دار ہیں، ماشاء اللہ۔" عنبر ہنسنے لگا۔

"ابھی بنا کے لاتی ہوں۔" خالہ جان نے کہا۔ "لیکن ہو اتنا تو بتاؤ کہ تمہارے دوست طارق نے آج دوپہر کے کھانے پر تمہیں کیا کیا کھلایا تھا؟"

"کیوں؟" عنبر نے کہا۔ "کوئی خاص بات ہے کیا؟"

”ہاں، کھانا یقیناً بہت ہی لذیذ ہو گا۔ لگتا ہے کہ تم نے بہت زیادہ کھا لیا ہے۔“ خالہ نے جاتے جاتے کہا۔

چاروں دوست ہنسنے لگے، مگر نسیم اور عاقِب نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ خالہ یہ بات کیوں کر رہی تھیں۔ عنبر واقعی موٹا محسوس ہو رہا تھا۔

”کیوں عنبر، یہ کیا چکّر ہے؟“ نسیم نے پوچھا۔

”خالہ جان ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔“ عاقِب بولا۔

”اِدھر آؤ، میرے نزدیک۔“ عنبر نے عاقِب اور نسیم کو ہاتھ کے اشارے سے بُلایا۔ ”میں تمہیں اپنے موٹاپے کا راز بتاتا ہوں۔“ اس نے بڑے ہی ڈرامائی انداز میں کہا اور پھر قمیص کا دامن اُٹھا دیا۔

قمیص کے نیچے، بنیان پر، کمر میں سونے کی وہی پیٹی بندھی ہوئی تھی جو باقر علی میوزیم سے غائب ہوئی تھی، اور اس پر لگے ہوئے ہیرے جگ مگ

جگ مگ کر رہے تھے! عاقِب اور نسیم کا منہ حیرت سے کھُلا کا کھُلا رہ گیا!

سونے کے دانت

چائے سے فارغ ہو کے عنبر، نسیم، عاقِب اور طارق خُفیہ ہیڈ کوارٹر میں چلے گئے۔ نسیم اور عاقِب خالہ جان کے سامنے تو سونے کی پیٹی کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے، البتّہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچتے ہی اُنھوں نے عنبر پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی:

”یہ سونے کی پیٹی کہاں سے ملی؟“

”اسے کِس نے چُرایا تھا؟“

”چور پکڑے گئے یا نہیں؟“

”کیا یہ عجائب گھر ہی میں تھی؟“

لیکن عنبر نے اُن کے سوالوں کا جواب دینے کے بجائے اُنہیں ہاتھ کے اشارے سے خاموش کیا اور خود ان سے پوچھنے لگا تم دونوں نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا؟“

”ہاں۔ کیا کوئی خاص بات تھی؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”ہاں، خاص ہی بات تھی۔ تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟“

”نہیں۔ البتّہ ذرا دُور سڑک پر کچھ بچّے پتنگ اُڑا رہے تھے۔ وہ ہماری طرف ضرور دیکھ رہے تھے۔“

”ٹھیک ہے۔“ عنبر نے کہا اور سونے کی پیٹی کمر سے کھول کے ہاتھ میں پکڑ لی۔ ”توبہ ہے! میں تو تھک گیا ہوں۔ نواب شفقت اللہ خان اس کو دِن بھر کیسے پہنتے ہوں گے! اس کا وزن پورے تین سیر ہے۔“

”اور قیمت دس اور بارہ لاکھ روپے کے درمیان۔“ نسیم نے کہا۔ ”مگر یہ تو بتاؤ، آخر یہ تمھیں ملی کہاں۔۔۔ آں۔۔۔ آں۔۔۔؟“

نسیم کا فقرہ بیچ ہی میں اٹک گیا کیوں کہ اُسی لمحے اچانک نہ جانے کہاں سے ایک بونا نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ اس نے آتے ہی عنبر سے کہا۔ ”یہ پیٹی سیدھی طرح میرے حوالے کر دو۔“

نسیم اور عاقِب اس اچانک حملے سے گھبرا گئے، البتّہ عنبر اور طارق کچھ زیادہ پریشان نہ تھے۔ اس سے پہلے کہ ننّھے سُراغ رساں بونے کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے، تین چار بونے اور آ گئے۔ ان سب کی آنکھوں میں غصّہ تھا اور ہاتھوں میں چاقو۔ نسیم اور عاقِب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنا بچاؤ کیسے کریں گے!

”میں تمھیں یہ پیٹی اب کسی قیمت پر نہیں دوں گا۔“ عنبر نے پیٹی ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ ”اور اگر تم میں ہمّت ہے تو لے لو۔“

عنبر کو عاقِب اور نسیم نے بڑی بڑی حیرت ناک حرکتیں کرتے دیکھا تھا،

لیکن اس انداز کی بہادری اُنھوں نے پہلی مرتبہ ہی دیکھی تھی۔ بونے کھُلے ہوئے چاقو لیے عنبر کی طرف بڑھ رہے تھے اور عنبر ایک ایک قدم پیچھے ہٹتا جارہا تھا۔

اب وہ دیوار کے پاس پہنچ چکا تھا۔ یکایک اُس نے منہ سے سیٹی بجائی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہیڈ کوارٹر میں پولیس کے کئی سپاہی آ گئے۔ جوّاد علی، ریاست ٹیکم گڑھ کے پولیس کمشنر ان سپاہیوں کے ساتھ تھے۔ سپاہیوں نے چند ہی منٹوں میں بونوں کو قابو میں کر لیا۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سونے کی پیٹی جوّاد صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ لیجیے جناب، آپ کی سونے کی پیٹی اور وہ کھڑے ہیں آپ کے سارے مجرم۔“ اس نے بونوں کی طرف اشارہ کیا۔

”میں تمھارا کِس منہ سے شکریہ ادا کروں؟“ پولیس کمشنر نے کہا۔

”شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ تعاون نہ کرتے اور یہ

منصوبہ نہ بناتے تو مجرم نہ پکڑے جاتے۔"

"ہاں، مجرم بہت چالاک ہیں۔" جوّاد صاحب بولے۔ "اور چونکہ یہ بونے ہیں، اس لیے پولیس کی نظروں سے بچے رہے۔"

پولیس کے جانے کے بعد نسیم بولا۔ "عنبر، میرا خیال ہے کہ مگّو ان میں سے ہی ایک تھا۔"

"ہاں، تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" عنبر نے کہا۔

"تو گویا یہی بونے ہم سے سونے کی پیٹی چھیننے آئے تھے اور انہی بونوں نے رؤف، لالو اور مستری کی مدد سے بینک لُوٹا تھا؟" عاقِب نے کہا۔

"ہاں، تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔" عنبر نے جواب دیا۔

"اور میرا خیال ہے کہ انہی بونوں نے باقر علی میوزیم میں سے سونے کی پیٹی اُڑائی ہو گی۔" نسیم نے کہا۔

"ہاں، یہ درست ہے۔" عنبر نے اطمینان سے کہا۔

”اب تم ہمیں پوری بات بتادو۔“ عاقِب نے بے صبری سے کہا۔

”یہ سب کیسے ہوا؟“ نسیم نے پوچھا۔

”ذرا دم تو لینے دو، ابھی بتاتا ہوں۔“ عنبر بولا۔ ”اور ہاں، اتنے میں ذرا تم بھی اپنا دماغ لڑاؤ۔“

”بھئی، میں تو اتنا جان سکا ہوں کہ اس سارے مسئلے کا سُراغ سونے کا خول چڑھا ہوا دانت تھا۔“ نسیم نے کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ عنبر نے تصدیق کی۔

”لیکن کیسے؟“ عاقِب نے نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتا۔“ نسیم نے کہا۔ ”یہ تو صرف عنبر ہی بتا سکتا ہے۔“

عنبر کی آنکھیں شرارت اور خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ کام یابی کے بعد ایسا ہی نظر آیا کرتا تھا۔

کچھ سوال

جب نسیم اور عاقِب کافی سوچ چکے اور اُن کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ سونے کے دانت نے سونے کی پیٹی کی چوری کا سُراغ کیسے لگالیا، تو آخر کار عنبر نے کہا:

"چلو، تم بھی کیا یاد کرو گے سُراغ رساں نمبر ایک کو۔ لو، میں بتائے دیتا ہوں کہ سونے کے دانت نے سارا مسئلہ کیسے حل کیا۔"

عاقِب اور نسیم نے اپنی اپنی کُرسی عنبر کے اور نزدیک کر لی۔

"بتاؤ۔" ان کی زبان سے ایک دم نکلا۔

”دیکھو، چھوٹے بچّوں کے دودھ کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں تو اُن کے نئے دانت نکل آتے ہیں۔ یہ بات ہر آدمی جانتا ہے۔ اسی لیے چھوٹے بچّے کا دانت ٹوٹنے پر کوئی بھی اس کے سونے کا دانت نہیں لگواتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”لہٰذا سونے کا دانت یا تو پوری عُمر کا آدمی لگا سکتا ہے، یا کوئی لڑکا جس کا پکّا دانت ٹوٹ گیا ہو۔ اس لیے تُم نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ سکاؤٹ جو نسیم ٹکرایا تھا اور جس کے سونے کے دانت کا نسیم نے ذکر کیا تھا، وہ دراصل بچّہ نہ تھا، بلکہ بڑی عمر کا آدمی تھا۔“

”یعنی بونا تھا۔“ نسیم نے کہا۔ ”اور چُوں کہ بونے بہت کم ہوتے ہیں، اس لیے یقینی بات ہے کہ سونے کے دانت والا بونا جلدی مل گیا۔“

”یوں بھی ہم سونے کے دانت والے بونے کو سینما میں دیکھ چکے تھے، اس لیے ثابت ہو گیا کہ وہ کام بھی اِسی بونے کا تھا۔“ عنبر نے کہا۔

”لیکن صرف یہی بات تو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔“ عاقِب بولا۔

”ایک اور بات بھی اس سلسلے میں میرے کام آئی۔ نُصرت صدّیقی کے ہاں، دوسری منزل میں، کھڑکی کے اندر نسیم نے جس بالشتیے کو جھانکتے دیکھا تھا، وہ بونا یہی تھا۔ ذرا سوچو، وہ بغیر سیڑھی کے اتنا اوپر کیسے پہنچ گیا، اور چند ہی لمحوں میں غائب ہو گیا۔“

”ہوں!“ عاقِب نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ بونے کئی تھے اور وہ ایک دوسرے کے اُوپر کھڑے ہوئے تھے۔ پھر سب سے اُوپر والے بونے نے اندر جھانکا تھا۔“

”بالکل صحیح۔“ عنبر نے کہا۔ ”ان میں سے بعض بونے ایک سرکس میں کام کرتے ہیں اور اُچھل کود کے ماہر ہیں۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اِن لوگوں نے سونے کی پیٹی اُڑا کے عجائب گھر ہی میں چھپا دی تھی۔“ نسیم نے کہا۔

”ٹھہرو! میں نے یہ نہیں کہا کہ انہی بونوں نے یہ جُرم کیا تھا۔“

”اوہ!“نسیم کا منہ لٹک گیا۔ ”تمہارا مطلب ہے، یہ پیٹی اِن بونوں نے نہیں چرائی تھی؟“

”نہیں۔“عنبر نے کہا۔ ”چرائی تو اِنہی بونوں نے تھی۔“

”تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟“

”یہ بات خود اُنہوں نے مجھے بتائی تھی۔“عنبر نے دھماکا کیا۔

”وہ کیسے؟ اور کیوں؟“نسیم نے پوچھا۔

”اور کب؟“ عاقِب نے کہا۔

”وہ اس طرح کہ مجُھے اِن پر شُبہ تھا۔“عنبر نے کہا۔ ”مگر ثبوت کوئی نہ تھا۔ چناں چہ میں نے ایک ترکیب سوچی۔ پہلے عجائب گھر جا کے پیٹی تلاش کی اور پھر پیٹی لے کے بونوں کے ہوٹل میں گیا۔“

”بونوں کا ہوٹل؟“

”میرا مطلب ہے، اس ہوٹل میں گیا جہاں بونے آج کل رہ رہے ہیں۔

وہاں مجھے وہ بونے بھی ملے جو رؤف کے ساتھ بینک لُوٹنے میں شریک تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں اس بات سے بڑا متاثر ہوا ہوں کہ وہ لوگ ڈاکے میں شریک ہونے کے باوجود بھی پولیس کے ہاتھوں سے صاف بچ گئے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ میں اُن کے ساتھ ایک سودا کرنے آیا ہوں۔ میں نے اُنہیں بتایا کہ سونے کی پیٹی میں نے ہی عجائب گھر سے چرائی تھی۔ اس بات پر وہ چوکنّے ہو گئے۔"

"چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔" نسیم چلّایا۔

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "میں نے کہا کہ میں یہ پیٹی اُن کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہوں اور آج شام تک وہ کریم انٹر پرائز کے پتے پر مُجھ رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ سوچ کے بتائیں گے۔"

"اگر وہ رقم دے کے یہ پیٹی خریدنے آتے تو سارا معاملہ چوپٹ نہ ہو جاتا؟ نسیم نے سوال کیا۔

عنبر نے کہا۔ "اگر وہ رقم لے کے آتے تو یقیناً قومی بینک کی لُوٹی ہوئی رقم

ہی لاتے اور تب بھی وہ آسانی سے پکڑے جاتے لیکن اُنھوں نے میرے خیال کے عین مطابق کیا اور پیٹی اُڑانے کے لیے ہم لوگوں پر حملہ کر دیا۔"

"گویا تم نے اسی لیے ہمیں ہدایت کی تھی کہ ہم کئی بار ہیڈ کوارٹر میں آئیں، جائیں۔" نسیم نے کہا۔

"اور جو بچّے بظاہر سڑک کے کنارے کھڑے پتنگ اُڑا رہے تھے، وہ بھی یہی بونے تھے۔" عاقِب حیرت سے بولا۔

"ہاں، اگر اُنھیں خفیہ راستے کا علم نہ ہوتا تو وہ حملہ کیسے کرتے، اور حملہ نہ کرتے تو گرفتار کیسے ہوتے؟" عنبر نے کہا۔ "اور یہ تو صاف ظاہر ہے کہ پیٹی مِلنے کے بعد جوّاد صاحب پولیس کمشنر ریاست گڑھ سادہ کپڑوں میں میرے آس پاس موجود رہے اور یہاں بھی پولیس کے ساتھ میری سیٹی کے منتظر تھے۔"

"اب باقی ساری باتیں تو صاف ہو گئیں۔" عاقِب نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ جب تُم سبز ویگن میں تھیلوں میں قید سمندر کی طرف جا رہے

تھے تو راستے میں یہ جادُو کیسے ہو گیا کہ تُم تو چھُوٹ گئے اور اُن ہی تھیلوں میں مستری اور رؤف کو بند کر دیا؟"

"ہوا یوں کہ چلتے چلتے ہم شاداب نگر سے باہر نکلے تو اسٹوڈیو سے آگے رؤف نے ویگن روکی اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے بونوں کو پیسے دے کے اُتار دیا۔ بس، اسی لمحے ہم تھیلوں سے نکلے اور اچانک حملہ کر کے رؤف کو بے بس کر دیا۔ اس وقت وہ نوٹوں کا وہ تھیلا بند کر رہا تھا جس میں سے اُس نے بونوں کو نوٹ نکال کر دیے تھے۔

ہم نے رؤف کو جھٹ پٹ باندھ کے ایک تھیلے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد نسیم نے رؤف کی نقل اُتارتے ہوئے مستری کو آواز دی۔ اس کے آتے ہی ہم نے اُسے بھی قابو میں کر لیا۔ اب لالو اکیلا رہ گیا تھا۔ اسے قابو میں کرنا کچھ اتنا مشکل ثابت نہ ہوا، اور یوں ہم تمہیں اور خالُو جان کو بھونچکا کر دیا۔"

"کیا مطلب؟" عاقِب نے کہا۔ "تم لوگوں کو یہ کب پتا چلا تھا کہ ہم ویگن کا

پیچھا کر رہے ہیں؟"

"ہمیں اس کام سے فارغ ہونے کے تھوڑی دیر بعد پتا چل گیا تھا، کیوں کہ ہم نے سائڈ میں لگے ہوئے شیشے میں ٹیکسی کو دیکھ لیا تھا اور اس میں۔۔۔۔"

"لیکن میری بات کا جواب پورا نہیں مِلا۔" عاقِب نے کہا۔ "آخر تم اور نسیم آزاد کیسے ہوئے؟"

"ہم نے اپنے دانتوں سے ذرا سا تھیلا کاٹا اور پھر دانتوں ہی سے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسّیاں کاٹیں۔" عنبر نے کہا۔ "یہ ترکیب مجھے نسیم نے سمجھائی تھی۔"

"اور منہ کھولنے کی ترکیب تم نے بتائی تھی کہ ہونٹوں پر لگی ہوئی ٹیپ کو تھیلے سے گھِسو، یہاں تک کہ اس کا سرا اُتر جائے۔" نسیم نے کہا۔

"یہ بات تو سمجھ میں آ گئی۔ اب ایک آخری سوال باقی رہتا ہے۔ پٹی باقر

علی میوزیم میں کس جگہ چھپی ہوئی تھی؟" عاقِب بولا۔

"میں نے ابھی ابھی بتایا تھا کہ بونے ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو جاتے تھے۔ بس، اُنھوں نے بتّی بجھتے ہی ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو کے سونے کی پیٹی اڑائی اور اسے چھپا دیا۔"

"لیکن کہاں؟" عاقِب اور نسیم نے بے تابی سے پُوچھا۔

"عجائب گھر کے ہال میں لگے ہوئے ایئر کنڈیشنر کے پائپ کی جالی کے اندر۔ وہی ایک جگہ تھی جس کی ابھی تک کسی نے تلاشی نہیں لی تھی۔"

"اوہ!" عاقِب کے چہرے پر حیرت ناچ رہی تھی۔ "یہ بات میرے دماغ میں نہیں آ سکتی تھی۔"

"اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ بالشتیے نُصرت منزل سے اتنی جلدی کیسے غائب ہو جاتے تھے۔" نسیم نے کہا۔ "ان لوگوں نے ضرور نُصرت منزل کے لان میں سُرنگ کا ایک منہ کھول رکھا ہو گا۔"

”ظاہر ہے۔“عنبر نے کہا۔”اس کے علاوہ اِن کے اتنی جلدی غائب ہونے کا راز اور کیا ہو سکتا ہے۔“

اسی لمحے خالہ جان کی زوردار آواز آئی۔”چلو لڑکو! کھانا تیار ہے۔“

اور تینوں ننّھے سُراغ رساں کھانا کھانے چل دیے۔

ختم شد